حضرت مجدّد الف ثانیؒ

ایک تحقیقی جائزہ

از

ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں

ایم اے، ایل ایل بی، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ

صدر شعبۂ اردو۔ سندھ یونی ورسٹی۔ حیدرآباد

قیمت ۷۵ پیسے (مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی) تعداد ایکہزار

حضرت مجددؒ الفِ ثانی

ایک تحقیقی جائزہ

از

پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں
ایم اے، ایل ایل بی، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ
صدر شعبۂ اردو، سندھ یونی ورسٹی، حیدرآباد

۱۹۶۵ء

تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی بعض تصانیف ہنوز شایع نہیں ہوئیں۔ ایسی تصانیف میں ایک عربی رسالہ اثبات النبوۃ بھی شامل ہے جس کی اشاعت (مع ترجمہ) کی سعادت پارسال حاصل ہو چکی ہے۔ جب اس رسالے کا مقدمہ لکھنے کا ارادہ ہوا تو محض اتفاق سے ایک فاضل معروف کی ایک کتاب کا تیسرا ایڈیشن نظر سے گزرا۔ جس میں انھوں نے اکبر بادشاہ (سنہ ۹۶۳ھ — سنہ ۱۰۱۴ھ) اور اُس کے ہم نشین فیضی (م سنہ ۱۰۰۴ھ) اور ابوالفضل (م سنہ ۱۰۱۱ھ) کو ان کی "مصلحت پسندی" اور "ترکِ شعائرِ اسلام" (جس کا نام "تقلید سے بیزاری" اور "عقل سے نزدیکی" قرار دیا گیا ہے) کی وجہ سے سراہا ہے۔ اور اس کے برعکس حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اور اُن کے ہم خیال "جلالی رنگ" والے حضرات کی تنقید یا تنقیص میں بڑا زور صرف کیا ہے۔ بلکہ اس کتاب کے دیباچے سے لے کر کئی سو صفحات تک اُنھوں نے کوئی دقیقہ اس تنقیص میں فروگذاشت نہیں کیا۔

اس "کرم نوازی" کی وجہ سے راقم الحروف نے ایک حقیر جوابی عرضداشت تیار کی، جو رسالہ بینات (کراچی) کے تین شماروں میں (مئی، جون، جولائی سنہ ۶۲ء) "حضرت مجدد

الف ثانی" پر "حرف گیری کا جائزہ" کے نام سے شایع ہو چکی ہے۔ بحمد اللہ فاضل محترم نے اس حقیر کے معروضات پر توجہ فرمائی۔ اور سنا ہے کہ اپنی کتاب کے آیندہ ایڈیشن سے تمام قابلِ اعتراض مقامات خارج کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس خبر سے دلی مسرت حاصل ہوئی، چنانچہ فاضل محترم کی خدمت میں مبارک باد پیش کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

ع این کار از تو آید و مردان چنین کنند

ہندوستان اور پاکستان کے بعض احباب کا اصرار ہے کہ یہ ۶ ضد اشت کتابی صورت میں بھی شایع کر دی جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو سکے۔ اس لیے محض تعمیلِ ارشاد کی خاطر اس کی اشاعت کی جا رہی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اسْتُرْنَا بِسَتْرِكَ الْجَمِيْلِ !

احقر ــــ غلام مصطفٰے خاں۔

گذارش حاجی محمد علی صاحب کی نگرانی میں ادارۂ مجددیہ (۵/۲.H.۱۱۱ ناظم آباد۔ کراچی) کی طرف سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اور ان کے متوسلین کی تصانیف کی اشاعت کا اہتمام کیا گیا ہے۔ کسی صاحب کے پاس ایسی کتابیں قلمی یا غیر مطبوعہ ہوں وہ عاریۃً یا قیمتہً عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فاضل مصنف کی یہ تنقید عبدالقادر بدایونی کے حالات سے شروع ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں "بدایونی نے کہا کہ اگر ایک مالکی قاضی اس (متعہ) کے حق میں اصول کی رُو سے فتویٰ دیدے تو ایک حنفی کے لیے بھی (تقلیداً) متعہ جائز ہے۔" (صفحہ ۸۵) گویا ایک ہائی کورٹ کا فیصلہ دوسرے ہائی کورٹ کے لیے جواز کی صورت پیدا کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے اس قسم کا اظہارِ خیال اکبر کی متعدد غیر مسلم بیویوں کے جواز کے لیے کیا گیا تھا۔ اور اس کی ذمہ داری بدایونی پر نیز دوسرے علماء اور فضلاء پر بھی عائد ہوتی ہے، جو خاموش تھے یا اکبر اور سلیم کے لیے دعائیں کر رہے تھے۔ یہ واقعہ ۹۸۴ھ کا ہے۔ پھر ملا یزدی نے "بادشاہ سے خلوت کی ملاقاتوں میں پہلے تین خلفاءؓ، بعض دوسرے صحابہؓ، اولیائے کبارؒ فرقۂ اہلِ سنت والجماعت اور سنی علماء کو برا بھلا کہا، اور سب کے جہنمی ہونے کا فتویٰ دیا۔" (صفحہ ۸۵)۔ پھر تاج الدین ولد شیخ زکریا اجودھنی کا ذکر آتا ہے کہ "انھوں نے وحدت الوجود کا راگ الاپا۔ ابن العربی کی تصانیف سے کئی ایسی چیزیں لائے جن سے آزادی

لہ فاضل مصنف نے شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق شیخ عبدالحق محدث علیہ الرحمہ کا قول نقل کیا ہے کہ "بعضے عادات مخالفِ شریعت کہ متعارفِ عوام باشد نیز روا داد" (صفحہ ۶۸)

اور آزاد خیالی کا سبق ملتا تھا۔ آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی کی ایسی تاویل اور ترجمانی کی کہ بادشاہ حیران رہ گیا۔ انھوں نے خلیفۃ الزماں کو انسانِ کامل کہا اور پھر بادشاہ کو اس لقب کا مستحق قرار دیا۔ اور بادشاہ کے لیے سجدہ تجویز کیا۔" (صفحہ ۸۷) "بادشاہ بقول بدایونی "جوہرِ نفیس و طالب حق لیکن عامی محض تھا۔ ......" ابوالفضل کہتا ہے کہ "بادشاہ فرماتے تھے کہ اس سے پہلے میں جب ظاہر بینوں کا ہم خیال تھا، میں سمجھتا تھا کہ ظاہر آرائی اور بغیر دلی قبول کے مسلمانی کا دعویٰ کرنا فائدہ مند ہے۔ چنانچہ میں کئی ہندوؤں کو ڈرا دھمکا کر اپنے بزرگوں کے دین پر لایا۔ (یعنی اکبر نے تبلیغ بھی کرنی چاہی تو وہ بھی شریعت کے خلاف یعنی ڈرا دھمکا کر) لیکن اب کہ شہرستانِ باطن کی حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس آشوب گاہِ اختلاف میں عقل اور سمجھ کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ اور ہیبت سلطانی سے زبان پر کلمۂ شہادت نکالنا، ختنہ کرانا اور ظاہری قسم سے سجدہ کرنا خدا طلبی نہیں ......" چنانچہ بادشاہ نے ہر ایک کی قابلیت اور اصلیت پہچان لی۔ بعض عقل و خرد والے جو گوشۂ تنہائی میں تھے بامِ بلندی پر جا پہنچے اور جو لوگ متعصب اور تقلید کے غلام تھے۔ اور چرب زبانی اور نقل آرائی کے زور پر اپنے آپ کو دانشمند اور حکیم سمجھے بیٹھے تھے اُن کی اصلیت بے نقاب ہو گئی۔" (صفحات ۸۷۔۸۸) گویا نماز روزہ اور دیگر شعائرِ اسلام کو برا بھلا کہہ کر اُن سے چھٹی کرا دی۔ اور ابوالفضل ہی اس بے راہ روی کے لیے شہادت دے رہا ہے۔

پھر مخدوم الملک اور عبدالنبی کا ذکر ہے کہ ان دونوں نے اپنے عہد کی خاطر کتنے لوگوں پر سختیاں کیں۔ لیکن چونکہ ابوالکلام آزاد نے اپنے تذکرہ میں

دورِ اکبری کی مذہبی خرابیوں کی ذمہ داری انھی دونوں پر رکھی ہے۔ اور انھوں نے حضرت مجددّ الف ثانیؒ کی رائے "علمائے سوء" کے متعلق نقل کردی ہے۔ اس لیے فاضل مصنف کو یہ بات پسند نہیں آئی اور انھوں نے اس کو صحیح نہیں سمجھا۔ اور اس کے برعکس انھوں نے مخدوم الملک کی محتسبانہ کوششوں کو سراہا ہے (صفحہ ۹۳) پھر یہ بھی فرمادیا کہ جن سیاسی اصولوں پر اکبر اپنی سلطنت کی تنظیم کرنا چاہتا تھا، وہ مخدوم الملک کے طریقۂ کار سے بالکل مختلف تھے۔...... علماء اور اکبر کے درمیان جو بڑی وجہ مخاصمت تھی اُسے خود اکبر نے (ابوالفضل کے قلم سے) عبداللہ اُزبک کے نام ایک خط میں واضح کر دیا ہے کہ "می خواہند کہ در فرمانروائی وکارگزاری شریکِ بادشاہی باشند" (صفحہ ۹۴[۲])۔ اس قسم کی توجیہ (علماء کو ختم کرنے کے لیے) اکثر کی جاتی ہے۔ بہرحال ملّا مبارک ناگوری نے ۹۸۷ھ میں ایک محضر نامہ تیار کیا جس کی رُو سے اکبر کو درجۂ اجتہاد پر فائز کیا گیا۔ مخدوم الملک، شیخ عبدالنبی، قاضی جلال الدین، قاضی خان بدخشی وغیرہ نے اس محضر نامے پر دستخط کیے شیخ مبارک کے بھی

---

[۱] گو کہ حضرت مجددّ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی ایسے علماء کے خلاف لکھا تھا لیکن فاضل مصنف نے ان پر اعتماد نہ کرتے ہوئے ان پر ایک چوٹ بھی کردی ہے کہ "اگر مخدوم الملک کی مسند پر حضرت مجددّ جلوہ فرما ہوتے تو اس معاملے میں وہ بھی مخدوم کے نقش قدم پر چلتے اور عہدِ اکبری کی کشمکش پھر بھی رونما ہوتی (صفحہ ۹۴)"۔ مخدوم الملک کے کردار سے حضرت مجددؒ کے کردار کو کوئی مناسبت نہیں، ایک سراپا دنیوی جاہ کا طالب، دوسرا حَرِیصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ" کے نقش قدم پر چلنے والا تھا۔

[۲] اکبر ۹۹۴ھ سے ۱۰۰۷ھ تک لاہور میں رہا۔ عبداللہ اُزبک کے احتساب کے جواب میں اکبر نے یہ خط ۹۹۴ھ میں لکھوایا تھا۔ کیا ایسا خط سیاسی مصلحت کی خاطر نہیں تھا؟ جبکہ شمس العلماء پروفیسر عبدالغنی نے عہدِ اکبری کے فارسی ادب کی تاریخ میں ابوالفضل کے اکبر نامہ کو Tour de force کہا ہے۔

دستخط تھے۔ لیکن ابوالفضل نے اس محضر نامہ کا ذکر جب اکبر نامہ میں کیا تو اپنے والد کا نام صاف اڑا دیا (تاکہ باہر کے مسلمان حکمرانوں میں اُس کے والد کی بدنامی نہ ہو) ابوالفضل کی اس "دیانت" کی توجیہ ہمارے فاضل مصنّف نے بڑی خوبی سے کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ " اس کی وجہ یہ تو نہ تھی کہ "محضر اجتہاد" پر جس طرح عمل کیا گیا اُسے دیکھتے ہوئے ابوالفضل اس سے اپنے باپ کا انتساب نہ چاہتا تھا۔ (صفحہ ۸۹ حاشیہ)" اگر ابوالفضل کی یہی نیت تھی تو اکبر نامہ جیسی طویل کتاب میں ایسے ایک جملے کے لیے بہت گنجائش نکل سکتی۔ پھر یہ بھی سوال ہو سکتا ہے کہ اس محضر اجتہاد پر کیا اسی طرح یا اس سے زیادہ عمل نہیں کیا گیا جیسا کہ اس کا مقصد تھا ـــ ؟

علماء اور "صلحا" کے قتل سلسلے میں فاضل مصنّف کو مجبوراً لکھنا پڑا کہ اکبر نے کئی بزرگوں کو مکاری اور حیلہ سازی سے کسی مقدمے یا داد فریاد کے بغیر شہید کروا دیا۔ لیکن جن مشکلوں سے اس کا سابقہ پڑا وہ ملک میں بہت تھیں، اس کے عقائد کے خلاف عام شورش ہو گئی تھی (صفحہ ۱۰۵) یعنی فاضل مصنّف کو اکبر کے عقائد اور ان عقائد کے خلاف شورش کا اعتراف ہے۔ گویا وہ بھی بدایونی کے بیان کردہ "فتنہائے امت" (صفحہ ۹۸) کے کم و بیش قائل ہیں۔ پھر جن بزرگوں کو (بقول اُن کے) مکاری اور حیلہ سازی سے شہید کروا دیا تھا۔ ان کے سلسلے میں کیا اکبر نے کسی وزیر باتدبیر کی رائے بھی لی تھی یا نہیں؟ ایسا سوال اُن کے قارئین کر سکتے ہیں۔

پھر عہدِ اکبری کے مذہبی مورخین کا ذکر آیا ہے، جس میں بدایونی (بقول فاضل مصنّف کے) قابلِ اعتبار نہیں، کیوں کہ وہ "توڑ مروڑ" کر واقعات پیش کرتے ہیں، فاضل مصنّف نے اپنی فاضلانہ کاوش سے (یعنی توڑ مروڑ کر نہیں) یہ نتیجہ نکالا ہے کہ " اکبر کے مذہبی آئین اور احکام کی نسبت معتبر معلومات تو آئینِ اکبری میں ملیں گی (کیونکہ سیاسی

اغراض کے لیے لکھی گئی تھی۔ اور ابو الفضل کی "دیانت" کا ذکر بھی اوپر آچکا ہے۔ نیز وہ خوشامد سے شاید کوسوں دُور تھا)۔ ان کے علاوہ جو کچھ بدایونی کی تاریخ یا پرتگیزی پادریوں کی تحریروں میں ملتا ہے وہ یا تو غلط بازاری افواہوں پر مبنی ہے یا اُن نیم پختہ تجاویز کا رنگ آمیز بیان ہے، جو بادشاہ یا اُس کے معتمد درباریوں کے سامنے پیش ہوئیں، لیکن آئین واحکام کا درجہ نہ حاصل کرسکیں (حالانکہ ان عقائد کے خلاف عام شورش پیدا ہوجانے کا اعتراف کیا جاچکا ہے)۔ (صفحہ ۱۱۹) "عجیب استدلال ہے۔ بدایونی کو بھی درباری قرب حاصل تھا۔ اور اُس نے جو کچھ لکھا ہے ایک "جابر" اور علماء کو "مکاری" سے قتل کروانے والے بادشاہ کے پاس رہ کر لکھا ہے، خوشامد نہیں کی ہے۔ (ان باتوں کے متعلق آگے عرض کیا جائے گا)۔ لیکن محترم صرف ابو الفضل کے قائل ہو رہے ہیں۔ اور بدایونی یا پرتگیزیوں کی بات وہیں مانیں گے جہاں اُن کے مفروضے کو تقویت ملے گی۔ مثلاً صفحہ ۱۳۵، ۲۳۸ میں انہی پرتگیزیوں کے قول کو سند قرار دیا ہے۔ اور دعویٰ کیا ہے کہ اکبر کا "کفر و الحاد" اُس کے مرنے سے بہت پہلے ختم ہوچکا تھا۔ (حالانکہ ایسا نہیں ہے) بہرحال ہمیں بھی اصرار نہیں کہ پرتگیزیوں کی ہر بات پر یقین کیا جائے۔ لیکن جہاں کہیں پرتگیزوں اور بدایونی کے اقوال میں مطابقت پائی جاتی ہے، وہاں تردید کیوں کر ہوسکتی ہے؟ البتہ محترم نے اکبری عہد کے ایک گروہ کے شکوے کا ضرور ذکر کیا ہے جو "اہلِ تقلید" تھے اور جو نماز روزہ جیسی چیزوں پر عمل کرنا چاہتے تھے۔ یعنی "صلح کل" نہیں چاہتے تھے۔ اور "اکبر کا خیال تھا کہ ہندوستان کے مختلف الاقوام ملک میں بادشاہ ایسا ہونا چاہیے کہ (بیویوں کی طرف سے "نسب نامہ درست کر لینے کے بعد) ہندو اُسے ہندو سمجھیں، مسلمان اُسے مسلمان خیال کریں اور پارسی جین، عیسائی سب اپنا اپنا ہم عقیدہ تصور کریں۔ (صفحہ ۱۲۹)۔ "یہی صلح کل" اور

"روشن خیالی" ہے۔ یعنی مسلمانوں کے دین میں خواہ اس چیز کو "منافقت" کہا جاتا ہے! یہ تو بقول فاضل مصنّف کے ایک "روحانی نظام" تھا۔ (صفحہ ۱۲۰)

حقیقت تو یہ ہے کہ عبد القادر بدایونی کے ساتھ نہ صرف غیروں نے بلکہ اپنوں نے بھی ظلم کیا ہے اور اُن کو متعصب اور غلط بیان تک لکھ مارا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے عبد القادر غالباً واحد مورخ ہیں جو اپنے مخالفوں کی خوبیاں اور خود اپنی کمزوریاں ظاہر کرنے میں تامل نہیں کرتے۔ فاضل محترم نے بغیر کسی دلیل کے اُن کو ٹھکرادیا ہے، اور اُن کے متعلق محمد حسین آزاد کی رائے کو پیش کر کے استدلال کیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقدس مجتہد زادے کے بعض اقوال دربار اکبری سے بھی نقل کر دیے جائیں، جہاں وہ فرماتے ہیں:۔ "ہمایوں کے عہد میں بہت سے ایرانی ہندوستان میں آگئے تھے، مگر تقیہ کے پردے میں تھے، مذہب ظاہر نہ کرتے تھے، اور اکثر ان میں صاحب اقتدار بھی ہو گئے تھے۔ یہ بھی طبعی امر ہے کہ جب ہمارے دشمن کا کوئی حریف بااقبال ہوتا ہے تو اُسے اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔ اور فائدہ بے فائدہ اُس سے مل کر دل خوش ہوتا ہے۔ (صفحہ ۳۲۷)"۔۔۔ "دمبدم کی قربت ملّا صاحب سے دیکھی نہ جاتی تھی۔ اس لیے بگڑتے اور تڑپتے تھے .... تفسیر اکبری پیش کرنے کا حال اپنی کتاب میں لکھا بھی تو شوشہ لگا دیا کہ لوگ کہتے ہیں اس کے باپ کی تصنیف ہے۔ اچھا بھی ہے! تو اُس کے باپ کا مال ہے آپ کے باپ کا تو نہیں۔ اُس کا باپ ایسا تھا تمھارا تو باپ بھی ایسا نہ تھا (صفحہ ۴۹۲)"۔ حضرت مولانا محمد حسین آزاد پھر گل افشانی فرماتے ہیں:۔

"ملّا صاحب نے گول مول فقرے میں لکھا ہے۔ نہیں کھلتا کہ فرمایش کرنے والا کون تھا........ یہ بھی عجب نہیں کہ ابوالفضل ہی نے فرمایش کر دی ہو۔ وہ بھی ثقہ ظریف تھے۔ کہا ہوگا کہ باتیں تو بہت بناتے ہیں، کچھ کر کے بھی تو دکھائیں۔ گنتی دو گھڑی۔

دل لگی رہے۔ ع ہاں خلیفہ ہم بھی دیکھیں پہلوانی آپ کی (صفحہ ۴۹۸)"۔

محمد حسین آزاد کے "حقیقت نگار" قلم سے ایک اور عبارت ملاحظہ فرمایئے:۔
"ابوالفضل، فیضی، خانِ خاناں، حکیم ابوالفتح، حکیم ہمام، میر فتح اللہ شیرازی وغیرہ ضرور مختلف اوقات میں ایک دوسرے کے گھر پر جمع ہوتے ہوں گے۔ فیضی اور ابوالفضل کا ایک مذہب تھا۔ اور جو کچھ تھا سو معلوم ہے۔ باقی سب دل کے شیعہ، نام کے سنت جماعت، مگر درحقیقت ایسے تھے گویا سب مذہب انھیں کے تھے۔ اس لیے سب آپس میں رفیق اور معاون رہتے ہوں گے۔ ہاں جو یک پہلو مذہب رکھتے ہوں گے، وہ ان سے ضرور کھٹکتے رہے ہوں گے۔ (صفحہ ۵۹۶)"۔ یہ دربار اکبری کے اقوال تھے۔

اب پھر فاضل مصنف کی طرف رجوع فرمایئے۔ اُنھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ محضر (ملا مبارک کا تیار کیا ہوا۔ ۹۸۷ھ) کے واقعے اور زیارت اجمیر کے بعد "ملا نظام الدین کا بیان ہے کہ واپسی پر بادشاہ نے حکم دیا کہ "ایک طولانی خیمہ (بارگاہ) مسجد کے نام سے دولت خانے کے پاس کھڑا کیا جائے۔ اور اُس میں وہ پانچ وقت باجماعت نماز ادا کرتے تھے"! (صفحہ ۱۱۴) ـــ (یعنی خیمہ والی عارضی مسجد) محترم نے یہ اُردو ترجمہ درج کیا ہے۔ فارسی میں بھی یہی عبارت ہے:ـــ "شکار کناں بمستقر سریرِ خلافت مراجعت نمودہ فرمودند کہ بارگاہِ طولانی کہ محرا بہاداشت ترتیب دادہ مسجد نام کردہ دریک طرف دولت خانہ برپا می کردند پنج وقت نماز را باجماعت می فرمودند۔[۱] "بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن یہ کون سا سنہ تھا؟ وہی ۹۸۷ھ جب کہ محضر نامہ کی تیاری کے بعد فیضی کے اشعار والا خطبہ اکبر نے پڑھا تھا۔ اور پڑھتے وقت

---

[۱] طبقاتِ اکبری از نظام الدین مطبوعہ لکھنؤ سنہ صفحہ ۳۴۴۔ نظام الدین نے جگہ جگہ اکبر کو خلیفہ الٰہی لکھا ہے۔

جو کیفیت گزری تھی وہ مورّخ جانیں لیکن یہ وقت "مجتہد" کے منصب پر سرفراز ہونے کا تھا۔ اس وقت نماز پڑھنا تو کیا، پڑھانے کا ارادہ بھی کیا ہو تو بعید نہیں۔

پھر محضر (بقول نظام الدین) کے سات سال بعد یعنی ۹۹۴ھ کے واقعات میں نظام الدین کے حوالے سے محترم نے لکھا ہے کہ اکبر دہلی گیا اور اپنے والد ہمایوں کے مزار کی زیارت کی فقرا اور صالحین کو انعام دیا، اور عید کا چاند نظر آجانے پر " لوازم عید بجا آوردہ از دہلی کوچ فرمودند"۔ یہ لوازم عید کیا تھے؟ یہاں نماز کا ذکر تو نہیں ہے۔ اگر مان لیا جائے کہ نماز بھی پڑھ ڈالی تھی تو بقول محترم کے وہ تو یہی چاہتا تھا کہ "ہندو اُسے ہندو سمجھیں اور مسلمان اُسے مسلمان خیال کریں۔ (صفحہ ۱۲۰)

محترم نے یہ بھی لکھا ہے (صفحہ ۱۱۷) کہ ۹۸۹ھ تک (بقول ملا بدایونی کے) گاؤکشی بند ہو چکی تھی، ریش تراشی عام تھی، خوشامدی لوگ "دینِ اسلام مجازی و تقلیدی کو ترک کرنے کے عہد نامے لکھ رہے تھے۔ اور عوام میں مشہور ہو گیا تھا کہ بادشاہ نبوت[۱] بلکہ الوہیت کا دعوے دار ہے۔ اُس وقت (یعنی ۹۸۹ھ میں)۔ " دریں ایام جماعت نماز و اذان ہر پنج وقت برائے خاطر جماعت در دربار می گفتند برطرف شد"۔

یہ تمام قول بدایونی سے ماخوذ ہے اور اس سے محترم نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "کم از کم اس زمانے تک تو دربار میں پانچ وقت نماز باجماعت ادا کرتا تھا" گو کہ اب اس نے بھی

---

[۱] محترم نے (صفحہ ۱۱۷) ملا شیری کا یہ شعر بھی نقل کیا ہے:۔

بادشہ امسال دعوائے نبوت کردہ است
گر خدا خواہد پس از سالے خدا خواہد شدن

لیکن محترم وہ بات نہیں مانتے جو بدایونی کے انداز کی ہو۔ اسی لیے شیخ محدث نے جو اکبر کو نبوت کا مدعی سمجھا تو محترم نے (صفحہ ۱۲۰) ان کی بات کو جھٹلا دیا۔ کیونکہ اس موقع پر وہ بھی بدایونی کے ہم خیال ہو گئے تھے:

ترک کردی تھی۔ لیکن وہ خوشامدی لوگ جو اسلام کو ترک کرنے کے عہد نامے لکھ رہے تھے اُس کی تردید اب بھی نہ ہو سکی۔ پھر محترم نے اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ "اواخرِ حکومت میں اکبر دیر تک لاہور میں رہا تو وہاں دیوانِ عام کے سامنے ایک مختصر سی مسجد بنوادی" (تاکہ جو لوگ کارِ ضروری میں مشغول ہوں، اُنھیں نماز کے لیے دُور نہ جانا پڑے)۔ اس پر حکیم مصری نے از راہِ تمسخر کہا:۔

شاہِ ما کرد مسجدے بنیاد　　　　ایہا المومنیں مبارک باد

واندریں نیز "مصلحت" دارد　　　　تا نماز اں گذار بشمارد

محترم نے جب حکیم مصری کو بھی بدایونی جیسا پایا تو مجبوراً یوں قلم اُٹھایا "ملا صاحب اور حکیم صاحب جو چاہیں حاشیے چڑھائیں، لیکن آخر ان کے اس بیان سے اس بات کا پتہ لگ گیا کہ اس زمانے میں جب کہ عیسائی مورخین کہتے تھے کہ شہر لاہور میں (یعنی دیوانِ عام میں نہیں) کوئی مسجد نہیں رہی اور سب مسجدیں ہاتھی گھوڑوں کے اصطبل بنا دیے گیے۔ اُس وقت خود اکبر نے قصرِ شاہی میں ایک نئی مسجد (مختصر سی) تعمیر کرائی تھی (تاکہ لوگوں کو دُور نہ جانا پڑے)"۔ یعنی یہ مسجد "غیر خوشامدی" لوگوں کے لیے بنانی پڑی، تاکہ وہ لوگ دُور نہ جائیں، ورنہ کام میں ہرج ہو گا۔

پھر محترم نے اکبر کی آفتاب پرستی کی تاویلیں کی ہیں، اور لکھا ہے کہ جس طرح وہ ہندوؤں کی تالیفِ قلب کے لیے گاؤکشی بند کر رہا تھا۔ اسی طرح دوسرے مذاہب کی باتیں بھی ان سب کی تالیفِ قلب کے لیے اختیار کر رہا تھا، البتہ مسلمانوں کی تالیفِ قلب کے لیے کبھی کبھی "لوازم عید" بجا لاتے یا "مختصر سی مسجد" بنا دینے کے واقعات بھی درج کرنے میں محترم نے دریغ نہیں فرمایا۔ اس کے بعد صفحہ ۱۳۰ میں بدایونی

کے حوالے سے مرزا جانی خاں حاکم ٹھٹھا کی تحریر نقل کی ہے کہ اس میں "دینِ الٰہی اکبر شاہی" کا ذکر ہے۔ لیکن خیال نہ رہنے کی وجہ سے دوسرے صفحے پر محترم یوں لکھتے ہیں کہ "دینِ الٰہی کی ترکیب پہلی مرتبہ "دبستان المذاہب" میں اکبر کی وفات کے کوئی ساٹھ ستر سال بعد استعمال ہوئی۔" پھر اسی صفحے میں ملا مکین پر بھی یہ ذمہ داری عائد کر دی ہے کہ اُس نے بھی سہواً عیاری سے اس "طریقے" یا "روش" کو دینِ الٰہی کہہ دیا ہے۔

محترم کا دعویٰ ہے کہ " وہ کوئی مذہب نہیں تھا، بلکہ ارادت و عقیدت کا ایک سلسلہ تھا"۔ یعنی یہ اور بات ہے کہ اس میں شعائرِ اسلام کی خلاف ورزی کی گئی ہو۔ پھر محترم نے یہ بھی اعتراف کر لیا ہے کہ " مریدانِ شاہی بالخصوص درشنیوں کا تھوڑا بہت سلسلہ اکبر کے بعد بھی جاری رہا۔ اور یہ فی الحقیقت جلال ملوکیت کا ایک کرشمہ تھا۔ (صفحہ ۱۳۲)"۔ لیکن اس اعتراف کے باوجود محترم نے آگے چل کر یوں بھی سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اکبری کفر و الحاد کا قلع قمع اکبر کے مرنے سے پہلے ہو چکا تھا ؎

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

پھر محترم نے فیضی اور ابو الفضل کو مخلص مسلمان (صفحہ ۱۷۱) بھی کہا ہے۔ اور اس اخلاصِ اسلام کی تعریف یہ کی ہے کہ " ملک کی غالب آبادی یعنی غیر مسلموں کی دلجوئی اور بہبودی کے لیے ان کے مذہب کے طریقے اختیار کرنا "مصلحت" تھی (جو شاید مخلص مسلمان کی پہچان ہے)۔ چنانچہ اس مفروضے کے تحت بغیر دلیل کے بدایونی کے اس قول کو غلط سمجھ لیا کہ مثنوی نل دمن میں " نزدیک بہ دست بمبالغہ و الحاح بعضے آشنایاں بیتے چند در نعت معراج حضرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نوشتہ درج کرد (صفحہ ۱۵۶)"۔ محترم کو چاہیے تھا کہ وہ فیضی کی دوسری تصانیف سے بھی نعتیہ اشعار پیش کر کے بدایونی کے اس قول کی تردید

کر دیتے۔ لیکن ایسا کرنا اُن کے بس کی بات نہ تھی۔ فیضی جو حالتِ مستی[۱] و جنابت میں اپنی تفسیر لکھتا تھا اور کتے اُسے پائمال کرتے تھے، تو اس کی تردید بھی محترم نہ کر سکے۔ بدایونی تو یہ بھی لکھتا ہے "ملک الشعراء فیضی نے جو چھ مہینے سخت بیمار تھا اور ضیق النفس، استسقا اور ہاتھ پاؤں کا ورم اور خون کی قے اور طرح طرح کے امراضِ متضادہ اس کو لاحق ہو گئے تھے۔ دسویں صفر (۱۰۰۴ھ) کو انتقال کیا۔ اور چونکہ اس کو مسلمانوں کی ضد پر رات دن کتوں سے بہت ربط تھا، حالتِ نزع میں اُس کے منہ سے بعینہٖ ایسی آواز نکلتی تھی جس طرح کتے بھونکتے ہیں۔ اور دینِ اسلام سے اس کو ایسا انکار تھا کہ مرتے وقت بھی ایک عالمِ متشرع سے اُس نے وہی الحاد کی بہت سی گفتگو کی، جس پر وہ پہلے سے جما ہوا تھا........ حالتِ نزع میں اکبر بھی اُس کی عیادت کو گیا تھا۔ اُس کا سر اُٹھا کر کئی مرتبہ اُس نے کہا کہ شیخ جیو، حکیم علی کو ہم ساتھ لائے ہیں، کچھ بولتے نہیں۔ جب اُس سے کچھ نہ بولا گیا تو اکبر نے بیتاب ہو کر اپنی پگڑی زمین پر پھینک دی، اور ابو الفضل کی کچھ تسلی کر کے چلا آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد خبر آئی کہ وہ مر گیا۔"[۲]

۱؎ محترم نے (صفحہ ۱۵۴-۱۵۵) مولانا شبلی کی رائے بھی نقل کی ہے کہ فیضی اپنی تفسیر میں مسلّماتِ علم کی شاہراہ سے نہیں ہٹا۔ لیکن بدایونی نے اس بات کا کب انکار کیا ہے؟ حضرت مجدد نے اس تفسیر میں ایک عبارت کی امداد فرمائی اور ان کے اُستاد شیخ یعقوب کشمیری نے اس پر تقریظ لکھی۔ مولانا جمال نے اصلاح فرمائی، تو اس کی وجہ سے پھر بھی یہ بات نہیں بنتی کہ فیضی نے مستی و جنابت کی حالت میں تفسیر نہیں لکھی تھی، اور یہ کہ اہلِ عرب پر اپنی قابلیت کا سکہ بٹھانے کے لیے نہیں تھی۔ آزاد نے جو لکھا ہے کہ فیضی کو ڈر کس کا تھا تو وہ بھی غلط ہے۔ ڈر ہی تو تھا کہ عمل کچھ اور زبانی جمع خرچ کچھ اور تھا۔ علاوہ ازیں ابو الفضل نے عبداللہ ازبک کو اکبر کی صفائی میں اسی لیے خط لکھا تھا۔

۲؎ بدایونی (طبع لکھنؤ ۱۸۸۹ء) صفحہ ۳۹۴

ایک اور جگہ بدایونی لکھتا ہے کہ فیضی کا خاتمہ بہت بُری حالت میں ہوا۔ اکبر نزع کے وقت اُس کی عیادت کو گیا تھا، وہ اُس کی طرف کتّے کی طرح بھونکنے لگا۔ چنانچہ اس حکایت کو اکبر خود سرِ دربار نقل کیا کرتا تھا اور اُس کے منھ پر ورم آگیا تھا اور لب سیاہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ اکبر نے ابوالفضل سے پوچھا کہ ہونٹوں پر اتنی سیاہی کیوں ہے؟ کیا شیخ نے مسّی ملی تھی؟ اُس نے جواب دیا کہ خون کی قے کا اثر ہے......[1] پھر بدایونی نے مختلف لوگوں کے قطعاتِ تاریخ بھی نقل کیے ہیں، جو فیضی کی موت پر لکھے گئے تھے۔ مثلاً :-

فیضیِ بے دین چو مرد سالِ وفاتش فصیح
گفت "سگے از جہاں رفتہ بحالِ قبیح"

ے سالِ تاریخ فیضی مردار
شد مقرر بچار مذہب نار

ے فیضی نحس دشمنِ نبویؐ
رفت و با خویش داغِ لعنت برد
سگکے بود، دوزخی زاں شد
سالِ فوتش "چہ سگ پرستے مُرد"

"قاعدۂ الحاد شکست"۔ "فیضی ملحدی"

چوں بناچار رفت، شد ناچار[2]
سالِ تاریخ "خالداً فی النّار"

یہ سب شعراء آخر ایسی جماعت سے ضرور تعلق رکھتے ہوں گے جنھیں فیضی کے کفر والحاد پر یقین ہو گا اور جنھیں بدایونی نے کسی خاص پروپیگنڈے کے تحت اپنا ہم خیال نہ بنایا ہو گا۔ کیسے تو بدایونی کی طرح ہم ان لوگوں کو بھی غلط بیان فرض کر لیں؟ فرض ہی تو کرنا ہے۔ بدایونی نے فیضی کی شاعری کے متعلق بھی لکھا ہے کہ "وہ چالیس برس تک شعر گوئی میں مصروف رہا، مگر اُس کا کوئی شعر ٹھیک نہ ہوتا تھا۔ بندشیں اچھی ہوتی تھیں

---

[1] بدایونی (طبع لکھنؤ ۱۸۹۰ء) ص۵۱۵

[2] صفحہ ۲۹۴ میں اور بھی تاریخیں ہیں۔

مگر مزا نہ تھا۔ فحریات (بلکہ کفریات) خوب لکھتا تھا، مگر ذوقِ عشق اور معرفت سے خالی اس کے دیوان اور مثنوی میں بیس ہزار شعر سے زیادہ ہیں، مگر ایک شعر درد آمیز نہیں۔ اگرچہ وہ بہت سا روپیہ کاتبوں کو دے کر اپنے مصنفات لکھوا کر ہر جگہ لوگوں کو بھیجا کرتا تھا۔ مگر کوئی اُس کے شعر کو پوچھتا نہ تھا"۔[1]

فیضی کے متعلق جس طرح مختلف شعرا نے مذمت آمیز قطعات لکھے تھے ابوالفضل کے لیے بھی خان اعظم نے یہ تاریخ لکھی تھی۔ ع

"تیغ اعجاز رسول اللہ سر باغی" برید[2]

(باغی کا سر کاٹ دینے سے ۱۰۱۱ھ برآمد ہوتا ہے) یہ مصرع بھی ابوالفضل کے عقائد کی صراحت کرتا ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ، جو بدایونی نے لکھا ہے کہ "چند ہندوؤں اور بے ایمان مسلمانوں نے نبوت پر صریح اعتراضات شروع کر دیے تھے اسی لیے تمام بے دین مصنفین نے اپنی تصانیف میں سے نعت موقوف کر دی۔ اور ہر کتاب کے خطبے میں بعد حمد کے القاب بادشاہی درج ہوتا تھا۔ اس کی تمام جہان میں بدنامی ہوئی"۔[3] کیا بدایونی نے یہ بات صحیح لکھی ہے؟ ابوالفضل نے ۹۹۶ھ میں عیار دانش مکمل کی،

---

[1] بدایونی (طبع لکھنؤ ۱۸۶۹ء) ص ۵۱۵

[2] فاضل محترم نے صفحہ ۱۳۵ میں یہ مصرعہ اس طرح لکھا ہے "تیغ اعجاز نبی اللہ سر باغی برید" لیکن تذکرہ سرخوش (لاہور ۱۹۴۲ء) ۱۲۸ میں متن کے مطابق درج ہے۔

[3] بدایونی صفحہ ۳۲۵۔ بدایونی نے (صفحہ ۳۷۵) لکھا ہے کہ "مجھے رامائن کا ترجمہ کرنے کو کہا گیا۔ میں نے ایک سو بیس جزو لکھ دیے تو بادشاہ نے دیباچہ لکھنے کو کہا۔ لیکن چونکہ وہ دیباچہ بغیر نعت کے لکھنا پڑتا اس لیے میں نے یہ کام بھی ٹال دیا۔

اس میں حمد کے بعد بھی تو نعت نظر نہیں آتی۔ اسی طرح اکبر نامہ (مطبوعہ کلکتہ ۱۸۷۷ء) کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، حمد، نعت اور منقبت بھی ہے۔ لیکن آئینِ اکبری (مطبوعہ کلکتہ ۱۸۷۲ء) شروع میں اللہ اکبر کے بعد حمد اور پھر بادشاہ کا ذکر ہے۔ نعت نہیں ہے۔

فیضی کی مثنوی مرکزِ ادوار (مرتبہ ۹۹۳ھ) کا حال بھی سن لیجیے۔ اس مثنوی کے دو نسخے (قلمی) علی گڑھ میں ہیں: ایک لٹن لائبریری میں دوسرا حبیب گنج کے خزینہ میں۔ اس میں حمد کے بعد کئی مناجاتیں ہیں۔ پھر اکبر کی مدح ہے اور اس کے بعد پیرایۂ آغاز ہے۔ نعت مطلق نہیں ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے فیضی کی مثنویوں میں صرف نل و دمن شائع ہوئی ہے، اور صرف نل و دمن اور مرکزِ ادوار تکمیل کو پہنچی ہیں۔ بقیہ تین مثنویوں (خمسہ میں سے) کے صرف چند اشعار ہی ملتے ہیں۔ ان میں بھی مناجات کا انداز ہے، نعت نہیں ہے۔ بدایونی کے قول کو اب ہم کیوں کر رد کر سکیں گے؟

حمد میں فیضی کے اشعار اس کے دیوان میں بھی ملتے ہیں۔ لیکن نعت میں ایک ہی رباعی نظر آتی ہے جو معلوم نہیں کب لکھی تھی۔

سلطانِ رسل، ماہِ عجم، شاہِ عرب — سنگِ درِ او قبلہ گہِ اہلِ عرب [1]

از تابشِ قہرِ او کہ دشمن سوز است — گر سنگ شود موم عجب نیست عجب

اس رباعی میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف "قہر" کی تعریف کی گئی ہے۔ معلوم نہیں کہ صرف اسی "خوبی" میں کیا خصوصیت نظر آئی۔ محترم نے

---

[1] اس رباعی کے پہلے شعر میں قافیہ کے لیے اور بھی گنجائش ہو سکتی تھی۔

ں رباعی کو پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "نعت میں کئی پُر اثر رباعیاں ہیں"۔ اور یہ بھی
یا ہے "اس طرح کی کئی رباعیاں نعت میں ہیں (۱۵۶)"۔ خدا جانے وہ رباعیات کون
ں درِ مکنون میں ہوں گی۔[1] ہم کو تو نظر نہیں آئیں۔ پھر محترم نے فیضی کی حمایت میں بڑی
انت سے کام لیا ہے اور آخر میں اس طرح فرمایا ہے کہ "جو شخص اسلام کے مروّجہ عقائد
ے کسی مسئلے میں (یعنی نبوّت کے مسئلے میں؟) اختلاف کرے ضروری نہیں کہ وہ منافق
ر خبیث ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ذہنی الجھنوں کی وجہ سے وہ راہ سے آوارہ ہو گیا ہو،
ن صحیح راہ پانے کی مسلسل کوشش کر رہا ہو۔ اور شاید خدا کی راہ میں یہ مخلصانہ
کوششیں مروّجہ عقائد پر صد اور ہر مخالف کی تذلیل سے زیادہ مقبول ہوں (کاش
گنجائش سب کے لیے نکل آئے)۔ (صفحہ ۱۵۷)"۔ بہرحال ... نعت میں
نعت نہ ہونے کا ثبوت پیش ہو چکا ہے، جس سے بدایونی کی ... کوئی ... ت
شہودِ حق" کے لیے حضورِ انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وساطت سے انکار ضرور "عقل"
مطابق ہے۔ اور نہ "تقلید" اسے گوارا ہو سکتی ہے۔ لیکن فاضل محترم کو آخر حمایت
رنی ہی ہے۔

فاضل محترم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "واقعہ یہ ہے کہ فیضی میں تحقیق و تدقیق کا
ذہ بہت تھا۔ اور تقلید کی قید بھی طبعِ آزاد کو ناگوار تھی۔ (صفحہ ۱۵۷)"۔ یہ تقلید کس کی

---

[1] دیوانِ فیضی کے آخر میں توحید سے متعلق ایک قصیدہ ملتا ہے جس کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:-

از تو کتابے تمامت علم نبوت درست — فاتحہ آں صحفی خاتمہ اش مصطفٰے

جنبش پرکار صنع شد ز ازل تا ابد — زیں دو فراہم رسید دائرہ انبیاء

خرمن اصحاب شید چوں نشود سوختہ — برق زناں ذوالفقار در کمر مرتضٰے

تقلید ہوا کرتی ہے؟ اور کیا ایسی تقلید والے "تحقیق و تدقیق" سے تعلق نہیں رکھتے؟ پھر یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ فیضی نے "تحقیق و تدقیق" کے کون سے جوہر پیش کیے ہیں۔ کیا یہی تحقیق ہے کہ اللہ کو بغیر رسولؐ کے کوئی پہچان لے؟ بہرحال اگر مثنوی نل و دمن کے نعتیہ اشعار کے سلسلے میں بدایونی کے اس قول کی تردید مقصود تھی کہ فیضی نے لوگوں کے کہنے سننے سے ایسے اشعار شامل کیے ہیں تو فاضل محترم یہ ثابت کرتے کہ فیضی نے اپنی دوسری مثنویوں میں نعت شامل کی ہے۔ اور ابو الفضل نے بھی ایسا کیا ہے۔ فاضل معترض نے بھی کبھی کبھی کسی "مصلحت" کی بنا پر حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف بھی کر دی ہے۔ لیکن تنقیص کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں) کہ جب ایک مرتبہ حضرت پر وحدت الوجود کا رنگ غالب تھا تو ایک رباعی (اسی رنگ کی) لکھی تو مرشد نے فوراً انھیں ٹوکا، اور ایک خط میں سختی سے سرزنش کی (صفحہ ۲۱۶)"۔ یہ سرزنش اگر مرشد نے کی تو ہمارے خوش ہونے کا مقام تو نہیں ہے۔ راہ سلوک میں ایسے بہت سے واقعات ہوتے ہیں اور مرشد اسی طرح اصلاح کیا کرتے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ جب حضرت مجددؒ نے ایک خط (مکتوب منضم) میں اپنے مقامات عروج کا ذکر کیا تو حضرت خواجہ (باقی باللہ) نے ایک طویل خط (رقعہ منضم) میں ان کی نسبت شبہ ظاہر کیا (صفحہ ۲۱۶)"۔ معترض صاحب نے دراصل حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے رقعات کا اردو ترجمہ (مطبوعہ اللہ والے کی قومی دوکان، لاہور) مطالعہ فرمایا ہے جس میں دو شبہوں کا ذکر ہے۔ لیکن وہ کیا باتیں ہیں جو ان کے درمیان ہو رہی تھیں؟ ہم بھی سمجھ سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر ان کے احوال باطنی پر نہیں، ہمارے حال پر شبہ ہونے لگتا ہے۔ خانقاہ میرزا مظہر (چتلی قبر دہلی) میں ان رقعات کا جو قلمی نسخہ ہے اس میں یہ رقعہ منضم ہے اور وہ غالباً مکتوبات نمبر ۱۱، ۱۴، ۱۸ (دفتر اول) کے جواب میں ہے۔

"دیگر مکرر توجہ نمایند و بینند کہ ترک مشغول ساختن مردم نسبت بہ مرغی ہست یا نہ۔ ایضاً این جماعت کہ مصاحب مایند ایشاں را در صحبت دیگران را فرستیم و خود مجرد باشیم مرغی ہست یا نہ۔ اندیشۂ بادشاہ را بخاطر نیارند، غرض دیگر داریم۔ البتہ مکرر در اوقاتِ نیک توجہ نمایند و بدستِ معتمدے نوشتہ فرستند۔ اگر شیخ نور بنقطۂ فوق رسیدہ باشد شیخ نور بیارد و دیگر اسرار محفوظ دارد۔ چنانچہ خصوصیتِ آن مقام را نسبت بحضرتِ ختم الخلافت اظہار نکنند، مردم در غلط می افتند سبب فسادِ عقیدہ می شود۔ والسلام۔" اس عبارت میں بار بار "توجہ" اور "مکرر توجہ" کیلیے فرمایا گیا ہے۔ وہ اسی لیے تو ہے کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے کشف و استخارہ پر اعتماد تھا۔ اور شیخ نور کو بھی "طیِ مراحل" کے لیے بھیجا گیا تھا کہ وہ نقطۂ فوق تک پہنچ جائیں۔ البتہ حضرت مجددؒ کو اظہارِ منکشوفات کے لیے منع فرمایا تھا۔ کیونکہ ہر شخص ایسے اسرار سمجھنے کا اہل نہیں۔ پھر جو دو شبہات اپنے تحریر عالیہ میں ظاہر فرمائے تھے وہ اغلب ہے کہ اسی خیال کے تحت ہوں کہ اگر کوئی غیر شخص ایسے اسرار معلوم کر لے تو وہ شبہات کی وجہ سے صاحبِ حال کے متعلق بدظنی نہ کرنے لگے۔ آج بھی اس سلسلے کے محتاط بزرگ بہت سے اسرار کے لیے ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا عبارت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت خواجہؒ نے اپنے بعض مخلصین کو کسی جگہ بھیجنے کے سلسلے میں حضرت مجددؒ سے مشورہ لیا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر فرمایا کہ بادشاہ کا اندیشہ دل میں نہ لائیں۔ کیونکہ میرا مقصد اور ہے۔ "اندیشہ

---

[1] ابھی کچھ دن ہوئے محترم نے زبانی فرمایا تھا کہ اکبر حضرت خواجہ سے بیعت بھی ہو گیا تھا۔ اس لیے خواجہ صاحبؒ نے لکھا تھا کہ اب بادشاہ کی طرف سے دل میں اندیشہ نہ لائیں۔ لیکن بیعت کیلیے کوئی سند شہادت نہیں ملتی اور مذکورہ بالا عبارت کا یہ مطلب بھی نہیں۔

کے معنی اُردو میں "خوف" آتے ہیں۔ لیکن اگر یہی معنی فارسی میں بھی لے لیے جائیں تب
بھی یہاں بعض مخلصین کو کسی جگہ بھیجنے کے سلسلے میں فرمایا گیا ہے کہ "غرض دیگر دار

اس کے بعد معترض صاحب نے نہیں معلوم کس مقصد سے وہ نصائح بھی در
کر دیے ہیں جو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر فرمائی
اور جو اس سلسلے میں تقویت و ترقی کے لیے خصوصی طور پر کی جاتی ہیں۔ پھر فاضل گرامی
یہ بھی لکھا ہے کہ "شاید ان خلفاء کو حضرت مجدد کی بعض باتیں بھی کھٹکتی تھیں (صفحہ
ایسا لکھ کر اُنھوں نے معلوم نہیں کیا مقصد پیش نظر رکھا ہے۔ لیکن ایسا ممکن بھی
کیونکہ ان خلفا کا وہ مقام نہیں جو حضرت مجدد کا ہے۔ اور درخت اپنے پھلوں
سے پہچانا جاتا ہے ؂

ایں ہا ہمہ رازست کہ معلوم عوام است
ہر کس نہ شناسندۂ رازست وگرنہ

پھر محترم نے حضرت مجدد کے ایک خلیفہ بدیع الدین کا ذکر کیا ہے، جو
عشقِ مجازی میں بھی گرفتار رہ چکے تھے۔ لیکن پھر حضرت کی توجہ سے اصلاح پذیر
محترم نے لکھ دیا کہ وہ "ایک غیر مسلم عورت کی محبت میں مبتلا ہوئے تھے تو اسلام کو
جواب دے بیٹھے تھے۔ جب اس سے نجات پائی اور سلوک کی طرف توجہ کی تو
فطری ذوق و شوق کی مدد سے بڑی ترقی حاصل کی (صفحہ ۲۱۸)" بدیع الدین کا اسلام
سے ہاتھ دھو بیٹھنا نہ جانے کہاں سے لیا گیا ہے۔ زبدۃ المقامات میں تو صر
یہ قول آتا ہے کہ "ہم دراں سال کہ خدمت حضرت ایشان بہ تحصیل علوم مشتغل بو
مرا بہ یکے از جوانانِ صاحب جمال تعلقے بود[1]۔" یہاں بدیع الدین کی طرف سے صفا

[1] زبدۃ المقامات از محمد ہاشم کشمی مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۹۰ء صفحہ ۲۶۳ و حضرات القدس (باقی بر صفحہ

مقصود نہیں۔ لیکن فاضل محترم نے جو تنقیص نگاری کے جوش میں کچھ کا کچھ لکھ دیا ہے وہ عرض کیا گیا ہے۔ پھر محترم نے یہ بھی لکھا ہے کہ بدیع الدین کے جوش کی وجہ سے حضرت مجدد کو قید ہونا پڑا۔ بظاہر یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اور اس قید کیلئے مکتوب یازدہم بھی ایک حیلہ بن سکتا ہے۔ جیسا کہ توزک جہانگیری میں آیا ہے (حالانکہ مکتوبات ۱۹۲ - ۲۰۷ میں وضاحت بھی کی جا چکی تھی) لیکن حقیقت کچھ اور ہی معلوم ہوتی ہے جس کا اعتراف خود جہانگیر نے کیا ہے۔ وہ جلوس چہاردہم (۱۰۲۸ھ) کے ضمن میں لکھتا ہے۔

"دریں ایام بعرض رسید کہ شیخ احمد نام شیادے در سرہند دام زرق الوس فرو چیدہ و بسیارے از ظاہر پرستان بے معنی را صید خود کردہ بہر شہرے و دیارے یکے از مریدان خود را کہ آئین دکان آرائی و معرفت فروشی و مردم فریبی را از دیگراں پختہ تر داند خلیفہ نام نہادہ فرستادہ، مزخرفاتے کہ بہ مریدان و معتقدان خود نوشتہ کتابے فراہم آوردہ، مکتوبات نام کردہ دراں جنگ بہملات و بسا معتقدات لاطائل مرقوم گشتہ کہ بکفر و زندقہ منجر می شود ازاں جملہ مکتوبے نوشتہ کردر اثنائے سلوک گذرم بمقام ذی النورین افتاد ...... بنابریں حکم فرمودم

---

(۱) از خواجہ بدر الدین ترجمہ دفتر دوم۔ لاہور ۱۳۴۰ھ صفحہ ۳۰۴۔ مشائخ نقشبندیہ از مولانا محمد حسن۔ لاہور صفحہ ۲۳۲ بعد۔ عجیب بات ہے کہ فاضل محترم نے بدیع الدین کی خامی کو طشت از بام کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اکبر نے جو ہندو بیویوں کی وجہ سے پورا ماحول کافرانہ اور مشرکانہ بنا دیا تھا اس کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ تو روحانی نظام قائم کر رہا تھا۔ دیکھیں ان کی کتاب صفحہ ۱۲۰۔

که بدرگاہِ عدالت آئیں حاضر سازند حسب الحکم بہ ملازمت پیوست و از ہر چہ پرسیدم جواب معقول نہ توانست سامان نمود۔ با عدمِ خرد و دانش بغایت مغرور و خود پسند ظاہر شد۔ صلاحِ حالِ او منحصر دریں دیدم کہ روزے چند در زندانِ ادب محبوس باشد و شوریدگیِ مزاج و آشفتگیِ دماغش قدرے تسکین پذیرد و شورشِ عوام نیز فرو نشیند۔ لاجرم بہ انی رائے سنگھ دلن حوالہ شد کہ در قلعۂ گوالیار مقید دارد۔"

میرا خیال ہے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ ایک معاصر بادشاہ جو شہزادگی کے زمانے میں ابو الفضل جیسے چہیتے وزیر کو قتل کرا سکتا تھا۔ حضرت مجددؒ کو قتل کرانے میں کیا دقت محسوس کر رہا تھا؟ یہی کہ انھوں نے ملکِ ہند کے طول و عرض میں (بہ ہر شہر و دیارے) اپنی دکان "کھول رکھی تھی۔ اور گو کہ وہ "بغایت مغرور و خود پسند" تھے لیکن ان کا قتل کرانا آسان نہ تھا۔

صرف یہ عبارت حضرت مجددؒ کے پورے ماحول کی ایک اجمالی تصویر پیش کر دیتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے وہ سب باتیں آئینہ ہو جاتی ہیں کہ ۱۰۲۸ھ تک کس طرح حضرت مجددؒ کے "زیرِ تسلط" پورا ملک آگیا تھا۔ اور جہانگیر کے خوشامدی امراء اور علماء سو نے کس کس طرح بادشاہ کے کان بھرے ہوں گے۔ پھر جہانگیر قتل کرانے کے بجائے صرف قید پر اکتفا کرتا ہے۔ آخر کوئی بات تو تھی۔ کہیں اُسے اپنی مملکت کے امراء و رؤسا اور ہر "شہر و دیار" کے لوگوں کی "شورش" کا کوئی خیال تو نہیں تھا؟ پھر قید کرتا ہے تو وہ بھی "روزے چند" اب دیکھیے ۱۰۲۹ھ ذیل میں یہی توہے یعنی پندرھویں سالِ جلوس (۱۰۲۹ھ) کے ضمن میں تزکِ جہانگیری کے یہ الفاظ غور طلب ہیں۔

"دریں ایام شیخ احمد سرہندی لا کہ بجہتِ دکان آرائی و خود فروشی و

بے صرفہ گوئی روزے چند در زندانِ ادب محبوس بود بحضور طلب داشتہ خلاص ساختم، خلعت و ہزار روپیہ خرچ عنایت نمودہ در رفتن و بودن مختار گردانیدم۔ او از روے انصاف معروض داشت کہ ایں تنبیہ و تادیب در حقیقت ہدایتے و کفایتے بود۔ [1] دنیوی جاہ و جلال والا اور روحانیت کے فضل و کمال والا اپنے اپنے انداز سے اس قید کو "ہدایت و کفایت" سمجھتا ہے۔ پھر اُس زمانے کے "خلعت و ہزار روپیہ" کا پس منظر کیا ہوگا؟ کہیں بادشاہ متاثر و معتقد تو نہیں ہوگیا تھا؟ وہ کچھ تالیفِ قلب کرنا چاہتا تھا؟۔ پھر کیا وجہ تھی کہ رہا ہوکر چلے جانے کا اختیار دیدینے کے بعد بھی حضرت مجددؒ نے اس اختیار سے فائدہ نہیں اُٹھایا؟ کیا کوئی دنیا کی ہوس تھی؟ یا دوسروں کی "ہدایت" پیشِ نظر تھی۔ یا اب حضرت مجددؒ نے سجدہ "تعظیمی والی" "رخصت" کو منظور کرلیا تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ اس خلعت و انعام اور جانے نہ جانے کے اختیار کا ذکر محض عقیدت کی بنا پر تھا۔ اور "دکان آرائی" کا ذکر محض اپنی بات رکھنے کے لیے ہے۔ ورنہ بادشاہ خود

---

[1] محترم نے صفحہ ۲۲۵ کے حاشیہ میں سید احمد افغانیؒ کے قید کا ذکر بھی کیا ہے وہ بھی وحدت الوجود کے خلاف تھے اور ان کے بھی بہت سے مرید تھے۔ لیکن ان کے متعلق یہ نہیں لکھا کہ چند روز کی قید کے بعد انہیں بھی جانے یا رہنے کا اختیار دیا گیا تھا اور یہ بھی نہیں لکھا کہ انہیں بھی رہائی پر خلعت اور ہزار روپیہ دیا گیا تھا۔ محترم نے صفحہ ۳۵۵ میں مخزنِ افغانی کا ایک قول نقل کیا ہے کہ "در روزِ ملاقات سجدہ تکریم و تحریم کہ در سلسلۂ چشتیہ متعارف است نیامد" صفحہ ۶۸ میں شیخ سلیم چشتیؒ کے متعلق بھی ایک قول آچکا ہے کہ وہ خلافِ شریعت آداب بھی رکھتے تھے۔ بہرحال سید احمد افغانی تین سال تک گوالیار میں قید رہے اور ۱۰۱۶ھ میں خان جہاں کی سفارش سے رہا ہوئے۔ یہ بزرگ مجذوب بھی تھے جیسا کہ فاضل محترم نے (صفحہ ۳۵۷) لکھا ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ جذب کی وجہ سے بادشاہ کو سجدہ نہ کرنے پر قید میں جانا پڑا ہوگا۔

اپنی تحریر سے اظہارِ ندامت کیونکر کرسکتا تھا؟ اور ایک شرابی عیش پرست بادشاہ کے "زندانِ ادب" میں جس پر فاضل محترم نے صفحہ ۲۳۶ میں بھی حاشیہ آرائی کی ہے۔ ایک اہلِ ورع اور تقویٰ نے کس طرح، اور کس نظریے کے مطابق کیا کچھ حاصل کیا ہوگا۔ وہ جہانگیر کے جائزے اور محاسبے سے بہت بعید ہے۔ ذرا جہانگیر کے پوتے دارا شکوہ کا ایک قول بھی ملاحظہ فرمایئے۔ وہ سفینۃ الاولیا میں لکھتا ہے:-

"در اواخرِ حال بعضے بر شیخ (مجدد) تہمت کردند کہ شیخ می گوید، مرتبہ من زیادہ است از خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، اما ایں محض بہتان و افترائے مخالفان است بر شیخ۔" [۱]

دارا شکوہ نے اپنے استاد میرک شیخ اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کا حال تفصیل سے لکھا ہے، اور اس کی روشنی میں مختلف اعتراضات کی تردید کی ہے۔

بہرحال فاضل محترم نے بھی اعتراف کیا ہے کہ "قید خانے سے رہائی کے بعد جہانگیر نے حضرت مجددؒ کو اجازت دیدی تھی کہ وہ چاہیں تو لشکر کے ساتھ رہیں، چاہیں تو گھر چلے جائیں۔ آپ نے لشکر کا ساتھ دینا پسند کیا۔ اس طرح سارے لشکر میں، بلکہ ساری مملکت میں جہاں جہاں لشکر جاتا تھا، تلقین وہدایت کا موقع ملتا۔ اس سے پہلے بھی جب آپ جیل خانے میں محبوس تھے تو آپ نے اپنے رفقائے زنداں میں کئی بت پرستوں کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا تھا۔ لشکر کے ساتھ قیام کے دوران آپ کو بادشاہ کو بھی تلقین کرنے کا موقع ملتا۔" —— (پھر مکتوبات شریف کے دفتر سوم کے ایک مکتوب کا

---

[۱] سفینۃ الاولیاء مطبوعہ کانپور ۱۸۸۴ء صفحہ ۱۹۴۔

اقتباس ہے کہ) " خاص کر آج ماہِ رمضان کی سترھویں رات کو انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور عقل کے عدمِ استقلال اور آخرت کے ایمان اور اس کے عذاب وثواب اور رویت و دیدار کے اثبات اور خاتم المرسلؐ کی نبوت کی خاتمیت اور ہر صدی کے مجدد اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی اقتدا اور ترویج سنت اور تناسخ کے باطل ہونے، جنوں اور جنتیوں کے احوال اور ان کے عذاب وثواب کی نسبت بہت کچھ مذکور ہوا۔ بادشاہ بڑی خوشی سے سنتا رہا۔ اس اثناء میں اور بھی بہت سی چیزوں کا ذکر ہوا۔ اور اقطاب و اوتاد و ابدال کے احوال اور اُن کی خصوصیات وغیرہ کا بیان ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ سب کچھ قبول کرتے رہے اور کوئی تغیر ظاہر نہ ہوا (صفحہ ۲۲۹) یعنی اس سے پہلے بادشاہ کو ایسی چیزیں سننے سے گریز تھا۔ اور جتنی باتیں اس مکتوب میں بیان کی گئی ہیں ان سب کو پیش کرنے کی ضرورت ہوگی۔ خواہ مخواہ تو پیش نہیں کی گئی ہوں گی۔ اگر ایسا ہے (اور ہے بھی ایسا) تو پھر فاضل محترم کا یہ دعویٰ کہ "جہانگیر نے تخت نشین ہوتے ہی اکبری بدعات (لیکن مرضی تھی" اکبری الحاد کا خاتمہ کر دیا (صفحہ ۲۳۶)" کہاں تک درست ہے؟

اوپر کے اقتباس (صفحہ ۲۲۹) کے سلسلے میں فاضل محترم لکھتے ہیں کہ "معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر آپ کا بڑا معتقد ہو گیا تھا، وہ رہائی کے تین سال بعد اپنی سالگرہ کے ذکر میں لکھتا ہے کہ "بدستور ہر سال خود را بہ طلا و اجناس وزن فرمودہ در وجہ مستحقان مقرر فرمودم ازاں جملہ شیخ احمد سرہندی را دو ہزار روپیہ عنایت شد" پھر لکھتے ہیں کہ "ان تین چار سالوں میں جہانگیر کو ترویجِ شریعت کا خاص خیال رہتا تھا" اور اُس کے دل میں مذہب کا بڑا جوش تھا۔ (پھر حضرت مجددؒ کی ان خدمات پر

پردہ ڈالنے کے لیے فرماتے ہیں کہ) عجب نہیں کہ اس میں حضرتؒ کی تعلیمات کو بھی دخل ہو۔ (یعنی دوسرے حضرات کی خدمات کا بھی دخل تھا؟) پھر علاقۂ راجوڑی (کشمیر) کے مسلمانوں کا حال (توزک جہانگیری سے لے کر) بیان کیا ہے کہ وہ لوگ ہندوؤں کی ستی کی طرح عورتوں کو شوہر کے ساتھ زندہ دفن کر دیتے تھے۔ لڑکیوں کو قتل بھی کر دیتے تھے۔ اور ہندوؤں کو اپنی لڑکیاں بھی دیدیتے تھے۔ جوالا مکھی کی پوجا بھی کرتے تھے۔ چنانچہ جہانگیر نے ان باتوں کو ختم کرایا۔ پھر فتح کانگڑہ پر اذان، نماز، خطبہ، گائے کی قربانی وغیرہ شعائر اسلام کی ترویج کرائی گئی۔ اور وہ قلعہ جو پہلے کسی سے فتح نہ ہو سکا تھا اُس کی فتح کے شکرانے میں قلعہ کے اندر مسجد کی تعمیر کا حکم دیا گیا۔ محترم نے اعتراف اس طرح کیا ہے کہ "یہ امر غیر اغلب نہیں کہ دیگر علمائے اسلام جو رکاب شاہی میں تھے ان میں حضرت مجددؒ بھی ہوں۔ (صفحہ ۲۳۱)"۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کشمیر سے جہانگیر کی واپسی اور فتح کانگڑہ سے متعلق ایک نایاب مخطوطہ (دلم-۱ انڈیا آفس لائبریری، لندن) موسومہ "مجمع الاولیاء" (مجمع فیض = ۱۰۴۳ھ) کے چند اقتباسات پیش کیے جائیں۔ یہ مجموعہ علی اکبر حسینی اردستانی نے ۲، ربیع الاول ۱۰۴۳ھ کو مکمل کیا تھا، اور شاہجہاں بادشاہ کے نام معنون کیا تھا جس میں ایک ہزار سے زاید مشائخ کا تذکرہ ہے اور ۸۷۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ مصنف (ورق ۴۴۴) لکھتا ہے کہ "درخدمت آن دو عزیز (شیخ محمد سعید سلمہ اللہ ابقاہ و شیخ محمد معصوم سلمہ ربہ) اخلاص و ارادت بسیار دارد و جمع اکثر این کتاب بتوجہ ظاہری و باطنی آن دو بزرگ صورت گرفتہ است"۔

یہ مصنف لکھتا ہے کہ کشمیر سے واپسی پر جہانگیر مرض ضیق النفس میں مبتلا تھا۔

اطبّا سے بہت علاج کرایا، لیکن فائدہ نہ ہوا تو اُس نے اعیانِ مملکت کو دعا کے لیے حضرت مجدّد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا (جو غالباً لشکر کے ہمراہ تھے) آپ نے دعا کے لیے وعدہ فرمایا، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جہانگیر اب تعمیرِ مسجد کا اہتمام کرے گا۔ جہانگیر نے کہا۔ "گفتن از شما ہست و کردن از ما" (ورق ۱/۴۴۲)۔ اس کے بعد تعمیر مساجد کا حکم جاری کیا۔ حضرت مجدّد رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت خضوع و خشوع سے دعا کی، اسی رات مرض میں افاقہ ہوا۔ پھر جب سرہند کے قریب پہنچے تو بادشاہ نے کہا۔ "شیخ جیو، چون بدعاے شما شفا یافتہ ایم فردا ہم بطعام خانۂ شما پرہیز بشکنیم۔" (ورق ۴۴۳)

حضرت مجدّد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادوں کے ہاتھ کھانا بھیجا۔ بادشاہ نے آصف جاہ سے بڑی تعریف کی۔ اور کہا۔ "امروز از خانۂ شیخ طعام خوردیم بسیار لذیذ بود، خصوصاً مرغ بسیار خوب پختہ بودند، نصفے ازان خوردہ ایم و نصفے نگاہ داشتہ کہ باز بخوریم۔" اس کے بعد آصف جاہ کو بھیجا کہ کچھ ہدیہ قبول فرمائیں۔ لیکن حضرت مجدّد رحمۃ اللہ علیہ نے انکار فرمایا اور یہ فرمایا کہ۔ "مدارِ کارِ فقراء ارباب اللہ بر توکل است (ورق ۴۴۳)

اس طرح فتح کانگڑہ کے لیے موقع پر جب مرتضیٰ خاں کو مقرر کیا تو اُس نے دعا کی درخواست کی، آپ نے تحریر فرمایا کہ اس کے ہاتھوں فتح نہ ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پھر جب راجہ بکرماجیت کو مقرر کیا گیا تو وہ بھی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اُس کو کامیابی کی بشارت دی۔ جب قلعہ فتح ہوا تو جہانگیر اس قلعہ کو دیکھنے کے لیے گیا۔ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے کہا۔ "اگر شما با ما رفاقت کنید بر آن قلعہ ذبح بقر و ہدم اصنام و بنا مساجد و نشر اسلام ہمی کنیم۔" چنانچہ ایشان ہمراہ بادشاہ بران قلعہ بر آمدند۔ بادشاہ ہمہ آنچہ فرمودہ بودند بجا آوردند۔" (ورق ۴۴۳)۔

پھر محترم نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے تذکرہ میں یہ بات غلط لکھی ہے کہ حضرت مجددؒ نے اکبری الحاد کو ختم کیا۔ بلکہ حضرت مجددؒ کے "مکتوبات" اس وقت لکھے گئے جب اکبر کے ساتھ اکبری بدعات ختم ہو چکی تھیں۔ جہانگیر مذہبی امور میں اکبر کا ہم خیال نہ تھا۔ اور یہ انگریزی مشینری بہ اکراہ، (کس طرح؟) تسلیم کرتے ہیں کہ جہانگیر نے تخت نشین ہونے سے پہلے اس امر کا وعدہ[1] کیا تھا کہ وہ شعائرِ اسلامی کی پابندی کرے گا۔ (صفحہ ۲۳۸)"۔ محترم نے یہ بھی لکھا ہے کہ "شیخ فرید کو حضرت مجددؒ نے جو بار بار شریعت پر چلانے کے لیے مکتوبات لکھے تھے ان کے بغیر بھی شیخ فرید کو اپنے فرائض کا خیال تھا۔ (صفحہ ۲۳۸)۔ فاضل محترم یہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ شریعت کی ترغیب کے لیے وہ مکتوبات لکھے گئے۔ لیکن وہ یہ بھی کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت مجددؒ نے خواہ مخواہ اور بلا ضرورت یہ سب لکھا۔ اس موقع پر فاضل محترم یہ بات ثابت کرتے کہ جہانگیر نے تخت نشین ہونے سے پہلے اس امر کا جو وعدہ کیا تھا کہ وہ شعائرِ اسلام کی پابندی کرے گا (صفحہ ۲۳۸) تو اس نے اس وعدے کی پابندی کی۔ حالانکہ ایسا بالکل نہیں ہوا۔ جہانگیر آخر آخر تک شراب پیتا رہا۔ اور فاضل محترم نے خود بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ "مریدانِ شاہی بالخصوص درشنیوں کا تھوڑا بہت سلسلہ اکبر کے بعد بھی جاری رہا۔ اور فی الحقیقت یہ جلالِ ملوکیت کا ایک کرشمہ تھا۔

---

[1] فاضل محترم (صفحہ ۱۰۴) لکھ چکے ہیں کہ شیخ فرید اور دوسرے مسلمان امرا نے جہانگیر کو تخت نشین کرانے میں کوشش بھی کی تھی، اور یہ وعدہ بھی لیا کہ وہ قوانینِ اسلام کا احترام کرے گا۔ لیکن یہ وعدہ وعدہ ہی تھا۔ اسی لیے شیخ فرید کو وہ مکتوبات بار بار لکھے گئے اور لکھنے کا حق بھی تھا۔ کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے بعد ان کی وصیت کے مطابق وہ لوگ حضرت مجددؒ کے زیرِ تربیت تھے۔

صفحہ ۲۳۱) اُس کے علاوہ سجدۂ تعظیمی نہ کرنے پر "بغایت مغرور و خود پسند" کو قید کرنا
ون سی دینداری کی خاطر کیا گیا تھا؟ پھر ہم ابھی پڑھ چکے ہیں کہ علاقہ راجوڑی (کشمیر) کے
سلمان کس قدر کافرانہ رسم و رواج کے پابند تھے۔ اور حضرت مجددؒ کے اثرات سے
کس طرح جہانگیر نے ان کی اصلاح کے لیے احکامات جاری کیے۔ اور فتح کانگڑہ پر
شعائرِ اسلام کی ترویج کرائی گئی۔ یہ سب کام خواہ مخواہ کرائے گئے یا ان کی ضرورت
محسوس ہونے پر ایسا کیا گیا؟ شیخ فرید کے نام حضرت مجددؒ کے بکثرت مکتوبات ہیں۔
ان کے متعلق فاضل محترم فرماتے ہیں کہ "وعظ و نصیحت آسان ہوتی ہے اور ان پر عمل
پیرائی کہیں زیادہ مشکل۔ (صفحہ ۲۳۷)"۔ بالکل صحیح فرمایا۔ بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ آج کل
کے امن و امان کے دور میں تنقیص کرنا آسان ہے بلکہ تحقیق کو بھی "مصلحت" پر قربان کرنا
آسان تر ہے۔ لیکن ایک جابر سلطان کے اعیانِ مملکت کو ایسے خطوط بھی لکھے گئے تھے
جن میں اس سلطان کے طریقِ کار پر بھی سخت تنقید تھی؟ کیا یہ کوئی آسان کام تھا؟ جہانگیر
اگر حضرت مجددؒ کے کارناموں سے ناواقف تھا (صفحہ ۲۳۶) اور اس ناواقفیت[1] کی
کی وجہ سے (بقول فاضل مصنف کے) انھیں قید کر دیا، تو یہ چیز خود اس حقیقت کے لیے
حجت ہے کہ اس میں دینداری کہاں تک تھی۔ اور پاسِ انصاف کہاں تک تھا۔؟
پھر مکتوبات شریف کے متعلق یہ کہنا کہ وہ سفارش کے لیے لکھے گئے تھے (صفحہ ۲۳۹)

---

[1] مکتوب نمبر ۴۷ (دفتر اول) جہانگیر کی تخت نشینی پر لکھا گیا۔ پھر متعدد مکتوبات شیخ فرید
اور دوسرے اعیانِ حکومت کو لکھے گئے۔ پھر بھی جہانگیر حضرت مجددؒ کے کارناموں سے
ناواقف تھا۔ یعنی ان امراء کی ہمت نہ تھی کہ دربار میں اسلام کی ترویج کرا سکیں۔ اسی
لیے بار بار مکتوبات بھیجنے کی ضرورت تھی۔

اور جواب میں نہیں لکھے گئے۔ (کوئی بات تو بھی کہ جواب نہ ملنے پر بھی بار بار لکھے گئے)۔ کس قدر ناانصافی ہے؟ کیا یہ پانچ چھ سو مکتوبات اصلاحی اور تبلیغی نہیں ہیں؟ کیا ان میں شریعت اور رسالت کی اتباع پر جگہ جگہ بحث نہیں ہے؟ کیا یہ بحث اس زمانے اور ماحول کا ردِّ عمل نہیں ہے؟ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے رقعات (مثلاً ۵۲، ۵۴، ۶۱ وغیرہ) سفارشی نہیں؟ اور انھوں نے بھی خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کی طرح امراء کو توجیت کر کے بادشاہی نظام کی اصلاح کو مدنظر نہیں رکھا؟ گویا ان کی تبلیغ عوام سے زیادہ خواص کے لیے تھی۔ تاکہ اَلنَّاسُ عَلیٰ دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ کے مصداق آسانی سے اصلاح ہو سکے۔

حضرت خواجہؒ کے رقعہ نمبر ۸۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مشیخت ترک کر کے اپنے تمام مریدوں کو (سوائے چند کے) حضرت مجددؒ کے سپرد کر دیا تھا۔ شیخ فرید بھی اسی لیے حضرت مجددؒ کے زیرِ تربیت تھے۔ اور اسی لیے ان کے نام خطوط ہیں، تاکہ اعیانِ حکومت میں نمایاں حیثیت رکھنے کی وجہ سے وہ نظامِ سلطانی کی اصلاح میں آسانی سے ہاتھ بٹا سکیں۔ فاضل محترم نے شیخ فرید کے علاوہ خان جہاں کے نام مکتوب کا ذکر کیا ہے کہ ان کو شرع مبین کی تابعداری اور دشمنانِ دین کی مخالفت (یعنی دشمنوں کی حرکت کے خلاف) تلقین کر کے لکھتے ہیں کہ "یہی خدمت جو آپ کر رہے ہیں، اگر اس کو شریعت کی بجا آوری کے ساتھ جمع کریں تو انبیاء علیہم السلام کا سا کام کریں گے، جس سے دین منوّر اور معمور ہو جائے گا۔ (یعنی ابھی ایسا نہیں ہوا ہے) ہم فقیر اگر سالوں تک اس عمل میں جان سے کوشش کریں، تب بھی آپ جیسے بہادروں کی گرد تک نہیں پہنچ سکتے۔ (صفحہ ۲۳۷۔ حاشیہ) حضرت مجددؒ نے کس قدر تواضع اور انکسار سے کام

لیا ہے۔ اور کس طرح ہمت افزائی فرمائی ہے"! لیکن فاضل محترم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت مجددؒ یہ کام نہیں کر سکتے تھے۔ (یعنی عمل پیرائی مشکل ہے) اس لیے وہ اِن اعیانِ حکومت کو متوجہ کرا رہے تھے۔ لیکن اعیانِ حکومت میں سے کسی نے بھی قید و بند کی سختیاں جھیلیں؟ دراصل اہل اللہ اور صوفیہ کا یہی معمول رہا ہے کہ وہ خود کو بے مایہ سمجھتے اور کہتے ہیں۔ لیکن مختلف طریقوں سے شریعت کی اتباع کے لیے متوجہ کراتے ہیں۔ شیخ فریدؒ جو حضرت خواجہؒ کے بعد حضرت مجددؒ کے زیرِ تربیت تھے اس قسم کی تلقین کے زیادہ اہل تھے۔ شیخ فرید کے نام حضرت مجددؒ کے ایک مکتوب کا مختصر اقتباس فاضل نے (صفحہ ۲۳۸) دیا ہے۔ ذرا اس مکتوب (۴۷ دفتر اول) کے اور اقتباس بھی ملاحظہ ہوں:-

"بادشاہ کی نسبت دنیا کے ساتھ ایسی ہے جیسے دل کی نسبت بدن کے ساتھ اگر دل اچھا ہے تو بدن بھی اچھا ہے، اگر دل بگڑ جائے تو بدن بھی بگڑ جاتا ہے۔ (یہ ایک مشہور حدیث کا ترجمہ ہے) اسی طرح دنیا کی بہتری بادشاہ کی بہتری پر منحصر ہے۔ اور اس کے بگڑنے سے جہان کا بگڑنا وابستہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ گزشتہ زمانے میں اسلام پر کیا گزری! گزشتہ زمانے میں باوجود کمال غریب ہونے کے اہلِ اسلام پر اس قسم کی تباہی نہ گزری تھی کہ مسلمان اپنے دین پر قائم رہتے اور کفار اپنے طریقہ پر لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ۔ میں اسی مضمون کا بیان ہے۔ اور گزشتہ زمانے میں کافر غلبہ پاکر دارِ اسلام میں کفر کے احکام جاری کرتے تھے۔ اور مسلمان اسلام کے احکام جاری کرنے سے عاجز تھے۔ اور اگر کرتے تو قتل کیے جاتے۔ (سن لیجیے غور سے) ہائے افسوس! حق تعالیٰ کے محبوب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے ذلیل و خوار تھے۔ اور ان کے منکر عزت و اعتبار میں۔ مسلمان زخمی دلوں کے ساتھ ماتم

پُرسی کرتے تھے اور دشمن ہنسی ٹھٹھا کرکے اُن کے زخموں پر نمک چھڑکتا تھا۔ ہدایت کا آفتاب گمرہی کے پردے میں چھپا ہوا تھا۔ اور حق کا نور باطل کے پردوں میں آگیا تھا۔ (یعنی اکبر کے آخر زمانے تک ایسا تھا) آج کہ دولتِ اسلام کی ترقی بادشاہِ اسلام کی تخت نشینی کی خوش خبری خاص وعام کے کانوں میں پہنچی، اہلِ اسلام نے اپنے اوپر لازم جانا کہ بادشاہ کے مددگار اور معاون ہوں۔ اور شریعت کے رواج دینے (یعنی ابھی تک رواج نہیں ہوا تھا) اور مذہب کے تقویت دینے میں اس کی رہنمائی کریں۔ خواہ یہ امداد تقویتِ زبان سے ہو سکے خواہ ہاتھوں سے۔ سب سے بڑھ کر مدد کتاب وسنت اور اجماع امت کے طریق پر شرعی مسائل کو بیان کرنا، اور کلامیہ عقیدوں کا ظاہر کرنا ہے۔ تاکہ کوئی بدعتی اور گمراہ درمیان میں آکر راستے سے نہ بہکا دے اور کام خراب نہ کردے۔ اس قسم کی امداد علمائے حق سے مخصوص ہے جو آخرت کی طرف توجہ رکھتے ہیں۔ اور علمائے دین جن کا مقصود ہمہ تن دنیا پرستی ہے، اُن کی صحبت زہرِ قاتل اور ان کا فساد متعدی ہے :-

عالم کہ کامرانی وتن پروری کند | او خویشتن گم است کرا رہبری کند

گزشتہ زمانے میں جو بلا اسلام کے سر آئی تھی وہ اسی جماعت کی کم بختی کے باعث تھی !!

اس قسم کے خیالات کے مکتوبات بار بار لکھنا اور ایک ہی شخص کو زیادہ لکھنا بلا ضرورت نہیں ہو سکتا۔ اہلِ انصاف خود دیکھ لیں کہ فاضل مصنّف کس مفروضے اور جذبے کو لے کر تنقیص نگاری کر رہے ہیں۔ اگر حضرت مجددؒ نے ایک آدھ بات ان مکتوبات کے ساتھ ضمناً کسی کے لیے سفارش میں لکھ دی تو یہ دیکھنا چاہیے کہ خود لکھنے والے کی ذات سے اغراض وابستہ تھیں؟ یا دوسروں ہی کے لیے ایسی سفارشیں لکھی گئی

ہیں! بڑی کوشش سے فاضل محترم نے ایک مکتوب اپنی کتاب کے صفحہ ۲۴۰ میں نقل کیا ہے اور اس میں سے یہ اقتباس لیا ہے۔ "مدّت گزری کہ سرہند میں کوئی قاضی نہیں۔ اور بعض احکام شرعیہ کے جاری کرانے میں بڑی دقّت پیش آتی ہے۔ (یعنی حکومت نے اگر کوئی قاضی مقرر نہیں کیا تو حضرت مجدّدؒ کو مصلحۃً خاموش رہنا تھا) مثلاً ہمارا ایک بھتیجا یتیم ہے، اس کے باپ کی کچھ میراث باقی ہے۔ اور اس کا کوئی وصی نہیں۔ اور ہم شرعی حکم کے بغیر اس کے مال میں تصرف نہیں کر سکتے (وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ .... والے حکم کے باوجود حضرت مجدّدؒ کو خاموش رہنا تھا) اگر قاضی ہو تو اُس کے حکم کے بموجب کام آسان ہو جائے۔" یعنی محترم کی خواہش کے مطابق اس موقع پر بھی شرعی حکم جاری نہ کرانا تھا، بلکہ "مصلحت" کا فلسفہ یاد رکھنا تھا۔

فاضل محترم نے اسی صفحہ پر صدر جہاں کے نام ایک مکتوب کا ذکر کیا ہے کہ اس میں ایک فاضل کو قاضی بنانے کے لیے سفارش کی گئی ہے۔ (یعنی کہیں بھی اپنے اعزّہ کے لیے عہدہ نہیں چاہا)۔ اور امور شرعی کی کمزوری پر (بقول مصنّف) "آنسو بہائے ہیں۔" لیکن مقصد یہ تھا کہ کسی شخص کے لیے سفارش بھی لکھ دی جائے۔ تو فاضل محترم کو یہ مقصد خوب نظر آیا اور وہ بالکل نہیں چاہتے کہ کسی مکتوب میں کوئی سفارش ہو۔ (خواہ وہ سفارش ہمیشہ دوسروں ہی کیلیے ہو)۔ معلوم نہیں اس قسم کی سفارشوں پر اعتراض کرنے والے خود بھی در پردہ کس قدر "اقربا پروری" کیا کرتے ہیں۔ لیکن اُنھیں اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ معلوم نہیں قرآن میں مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً فَلَهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا (جو شخص اچھی سفارش کرے تو اُس کو اس کی وجہ سے حصّہ ملے گا) میں جو شفاعت پر حصّہ کا وعدہ ہے وہ فاضل مصنّف کے

خیال میں کس قسم کی شفاعت ہے۔ اور آنحضور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے
مقروضوں کو مہلت دینے کی سفارش کی ہے اور کتنے ایسے واقعات ثابت ہیں
جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے سفارش کی ہے، تو اس کے متعلق کیا خیال ہے؟
پھر حضرت مجددؒ نے اگر سفارش کی تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے
اس حکم "اِشْفَعُوْا تُؤْجَرُوْا" (سفارش کرو تم کو ثواب ملے گا) کے مطابق
ایک حکمِ نبویؐ کی تعمیل کی ہے جو بہرحال مستحسن ہے۔

فاضل گرامی نے مخالفت کے جوش میں یہ غور نہیں فرمایا کہ دین وشریعت
کی پیروی کرانے کے لیے بادشاہ کے نظامِ حکومت پر کڑی تنقید کرنے والا اور وہ بھی
اعیانِ حکومت کو اِن مضامین کے مکتوبات لکھنے والا کتنی جرأت والا شخص ہوگا؟
کچھ زمانۂ حاضرہ کے "غیر جابرانہ" نظامِ حکومت کا مقابلہ اُس وقت کی جابرانہ
ملوکیت سے کر کے دیکھیے اور سوچیے کہ اہلِ حق کے خلاف آج بھی کیا کچھ کیا جاسکتا ہے۔
پھر مکتوب (نمبر ۴۷۔ دفتر اول) بھی ظاہر کرتا ہے کہ اکبری الحاد نے کیا کیا، اور جہانگیر
سے (صفحہ ۱۴۰) تخت نشینی کے موقع پر "قوانینِ اسلام کے احترام" کا جو وعدہ لیا گیا
تھا وہ کہاں تک پورا ہوا۔ اور اُس کے پورا ہونے کی کس حد تک امید ہوسکتی تھی؟

اکبر نے نبوّت کا دعویٰ نہ کیا ہو۔ لیکن بقول بدایونی "این ہمہ باعث دعویٰ
نبوت شد۔ امّا نہ بہ لفظِ نبوّت"۔ (صفحہ ۱۳۰) چنانچہ شیخ عبدالحقؒ بھی اُسے نبوّت کا
مدّعی سمجھتے تھے۔ (صفحہ ۱۳۰) اور عبداللہ اُزبک[1] نے بھی یہی "دعوی" سنا تھا تو اکبر کو

---

[1] یہ وہی عبداللہ اُزبک تورانی تھا جس کی فرمائش پر حضرت مجددؒ نے ایک رسالہ خلفائے اربعہ رضؓ
اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے فضائل پر لکھا تھا۔

خط لکھا تھا۔ (صفحہ ۱۰۹)۔ شیخ محدّث کا وہ مکتوب بھی یاد رکھنا چاہیے جو انھوں نے اکبر کے انتقال پر شیخ فرید کو لکھا تھا۔ پروفیسر نظامی نے اس مکتوب کے بارے میں لکھا ہے :-

"حضرت شیخ ستر و کتمان کے قائل تھے اور پردے پردے میں بات کرتے تھے۔ اس خط میں انھوں نے اکبر کی ایک ایک گمراہی کی نشان دہی کی ہے، اور اس کے جانشین کو آگاہ کیا ہے کہ کہیں وہ ان گمراہیوں کا اعادہ نہ کر بیٹھے۔ یہ خط بہت غور سے مطالعہ کے قابل ہے۔ اس میں شیر کی حکایت، پیغمبری کی نوعیت پر گفتگو، انقیادِ شریعت، و اعتقادِ مسلمانی کا مطالبہ، شیخ کے احساسات اور تاثرات کا پتا دے رہا ہے۔"

چنانچہ اگر (صفحہ ۱۳۷) ملک کے بعض مقامات پر چند امرا، شریعت سے تعلق رکھتے تھے، تو اکبری الحاد کا قلع قمع ہو جانا کیونکر صحیح سمجھا جا سکتا ہے۔۔؟ حضرت مجددؒ اور حضرت شیخ (جو آپس میں پیر بھائی تھے) یہی مناسب سمجھ رہے تھے کہ شیخ فرید اور دیگر ارکان کو شریعت کے احکام کے لیے متوجہ کیا جائے، کیونکہ صحیح کامیابی اسی طرح ممکن تھی۔ اور اسی کے لیے وہ عہد جہانگیر میں بھی برابر کوشاں رہے۔ شیخ عبدالحق محدثؒ کے سلسلے میں فاضل محترم نے بڑی عقیدت ظاہر فرمائی ہے۔ اور ایسا ہونا بھی چاہیے۔ حالانکہ حضرت مجددؒ کے حالات بھی (جلالی رنگ کے علاوہ) قریب قریب ویسے ہی تھے۔ لیکن محترم نے انھیں بالکل نہیں بخشا۔ حضرت شیخؒ کے متعلق محترم کے بیانات ملاحظہ ہوں۔ فرماتے ہیں کہ:
"سیکری میں شیخ عبدالحقؒ کا قیام کوئی دس بارہ برس رہا ہوگا۔ آپ کی علمی قابلیت نے

ؔ نظامی صفحہ ۲۷۸ (حیات شیخ عبدالحقؒ)

کئی علمائے دربار مثلاً فیضی مرزا نظام الدین بخشی (مصنف طبقات اکبری)۔ ملاّ عبدالقادر بدایونی کو مسخر کیا۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ اکبر سے بھی آپ کی ملاقات ہوئی۔ اور شاید فیضی، ابوالفضل اور اکبر کی خواہش تھی کہ آپ اُن کے ہم خیال ہو جائیں۔ آپ زاد المتقین میں اختتام تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "جب اللہ کے فضل و کرم سے مجھے علم کا خاصہ حصہ مل گیا تو بعض اہل حقوق نے مجھے اہل دنیا کی طرف بلایا۔ اور میں بادشاہِ وقت اور امرا کے پاس گیا۔ انھوں نے میری طرف بہت توجہ کی اور میرا رتبہ بلند کیا، بلکہ ارادہ کیا کہ میرے ذریعہ اپنی جماعت بڑھائیں۔ اور مجھ ضعیف سے اپنی قوت میں اضافہ کریں۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے مجھے محفوظ رکھا۔" یعنی اکبر اور اُس کے امراء نے حضرت شیخ کو اپنے مقصد کی خاطر استعمال کرنے کی کوشش کی اور اللہ نے محفوظ رکھا۔ پھر محترم مصنف نے حاشیے میں یہ بھی لکھا ہے کہ "شیخ کے یکایک سفر حج پر بلا اطلاع روانہ ہونے پر فیضی نے جل بھن کر جو خط لکھا ہے اُس کا ایک پُر معنی فقرہ یہ ہے :۔ خدا نخواستہ باشد کہ حق خدمت و نمک صحبت را فراموش کنند۔" (صفحہ ۳۰۰) یعنی ہم خیال بنانے کے لیے فیضی جیسے امراء نے حضرت شیخ سے بھی "حق خدمت و نمکِ صحبت" کی توقع رکھی تھی۔ اور وہ خود اسی "نمک حلالی" کو "مصلحت اندیشی" سمجھ کر اکبری الحاد میں دوش بدوش سرگرم عمل تھے (شیخ نے دس بارہ سال نمک کھایا اور پھر بھی ہم خیال نہ ہوئے)۔ حضرت شیخ رح ۹۹۵ھ میں حج کے ارادے سے گجرات پہنچے اور ۹۹۶ھ میں حجاز پہنچ گئے۔ قریب پانچ سال میں حرمین شریف سے واپسی ہوئی۔ فیضی نے پھر دانہ ڈالنے کی

کوشش کی اور بڑی عقیدت کا اظہار کیا۔[۱] لیکن شیخ محدث کو "پھر اللہ نے محفوظ رکھا" فاضل محترم نے حضرت شیخ کی کتاب فہرس التوالیف کی ایک عبارت (صفحہ ۳۱۳) فیضی کے متعلق خود ہی نقل کی ہے کہ "فیضی اگرچہ در فصاحت و بلاغت متانت و رصانت سخن ممتاز روزگار بود ولیکن حیف کہ بجہت وقوع و ہبوط در ہاویۂ کفر و ضلالت رقم انکار و ادبار بر ناصیۂ احوال خود کشیدہ، زبان اہل دین و ملت جناب نبوت را از بردن نام وے و نام جماعت شوم وے باک است"[۲] لیجیے شیخ محدث بھی خواہ مخواہ عبدالقادر بدایونی کی طرح "غلط بیانی" کرنے لگے۔ اور "حق خدمت و نمک صحبت" کا بالکل خیال نہ رکھا۔

فاضل گرامی نے (صفحہ ۳۱۴ - بعد) بڑے شد و مد کے ساتھ شیخ محدث اور حضرت مجدد کے درمیان اختلافات کی خلیج کو وسعت دینے کی کوشش فرمائی ہے۔ آئیے اس کی حقیقت بھی دیکھ لی جائے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب "حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی" (مطبوعہ دہلی ۱۹۵۳ء) کے صفحہ ۳۱۲ سے شیخ عبدالحق کا ایک مکتوب بنام حضرت مجدد الف ثانی نقل کیا ہے جو غلام معین الدین عبداللہ کی تالیف معارج الولایت (مرتبہ ۱۰۹۴ھ) میں ملتا ہے۔ پروفیسر موصوف نے اس میں حواشی اور تعلیقات بھی دیے ہیں اور شاید ایڈٹ بھی کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بعض

---

[۱] پروفیسر نظامی نے (صفحہ ۳۴۵ - بعد) فیضی کے دہ خطوط دیے ہیں جو اس نے شیخ محدث کو لکھے تھے

[۲] ایضاً صفحہ ۳۴۳

اقوال کے سلسلے میں غلط فہمی ہوگئی تھی۔ اور وہ جلد ہی دُور ہوگئی۔ لیکن بغور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکتوب شیخ محدّث کے قلم سے کم اور دوسروں سے زیادہ تعلق رکھتا ہے۔ دیکھیے "ایڈٹ" کرنے کے باوجود ایسے جملے نظر آتے ہیں :۔

(۱) صفحہ ۳۱۲/۲۴۳ میں آگے آنے والی عبارت سے ایک جملہ نقل کیا ہے۔" این مقدار کہ مرا بہ شما نسبتِ محبت و اتحاد ہست کم کسے را نخواہد بود"۔ یہ "نخواہد بود" کیا فارسی ہوئی؟ کیا ایک محدّث اسی طرح لکھے گا؟

(۲) پھر صفحہ ۳۱۳ میں ہے :۔ ایہا الشیخ العالم ...... اجتباہ الیہ کیا عربی ہوئی؟ اسی کے ساتھ تحس فوا فی نفسہٖ۔ معنی کیا ہوں گے؟

(۳) صفحہ ۳۱۸ (سطر ۷) میں ہے "تلامیذ انند"۔ یعنی کیا؟

(۴) اسی صفحہ میں ہے کہ" دریں سخن تامل کنید کہ از قول الشان کہ الکلام" کیا فارسی ہوئی؟

(۵) صفحہ ۳۲۰ (سطر ۵) میں ہے:" و من اللہ الاستعانت و التوفیق"۔ "باللہ" ہوتا تو صحیح کہہ سکتے تھے۔

(۶) صفحہ ۳۲۱ (سطر ۸) میں ہے :۔" شما بسیر مرادی بمرتبہ رسیدہ اند" (اید)۔

(۷) صفحہ ۳۳۰ (سطر ۱۷) میں ہے :" بہ تبعیت و طفیل می رفت و اقتباس از وے می گردد"۔ کیسی فارسی ہے؟

(۸) صفحہ ۳۳۳ (سطر ۹) میں ہے :۔" بعد از وصولِ ماتم و اکمال مستغنی و فارغ نیستند"۔

(۹) صفحہ ۳۳۵ (سطر ۱۴) میں ہے :۔" در شانِ کافران و مکذوبان ....."

(۱۰) ایضاً (سطر ۹) میں آیا ہے کہ " شما دغا خوردہ اید"۔

(۱۱) صفحہ ۳۳۷ (سطر ۱۸) میں ہے کہ۔ "آیا شیخ عبد القادر دراین کلمہ را بام گفت۔"

(۱۲) صفحہ ۳۳۷ (آخری سطر) میں ہے کہ "این اکملیت درمقام قطبی است"

یعنی قطبیت ؟

(۱۳) صفحہ ۳۴۰ (سطر ۴) :۔ "اقوال کہ از شیخ جنید بغدادی آوردہ ـــــ لم سبق لہ اثر برتقدیر صحۃ۔" سب خلط ملط کردیا ہے اور "لم یسبق" کیا سے کیا ہوگیا ہے؟

(۱۴) صفحہ ۳۴۱ (سطر ۳) میں ہے :۔ "مرتبہ اہلِ سکر عاقل و نازل است" ۔ کیا معنی؟

(۱۵) ایضاً (سطر ۱۲) میں آیا ہے :۔ "ہمہ واپس انداختہ"

(۱۶) ایضاً (سطر ۲۰) :۔ "الحمد لِلّٰہ از انجاکہ ایشان اند ہم کمال است و ہم سخنان شما ـــ کردہ اید" یہاں ایشان اور شما کا خوب رشتہ جوڑا گیا ہے۔

(۱۷) ایشان اور شما کے بعد صفحہ ۳۴۲ (سطر ۸) میں یوں بھی آتا ہے کہ ـــ "تا صحبتِ قیامت بدان بہ تو کار آید" ایک سنجیدہ بزرگ کی تحریر نہیں ہوسکتی۔

(۱۸) صفحہ ۳۴۳ (سطر ۱) میں ہے :۔ "آنہا کہ منتہی گردید جبے قید پیدا نمودند" خوب رہی!

(۱۹) صفحہ ۳۴۳ (سطر ۹) میں یہ عبارت غور طلب ہے کہ "این را از چند مجلس املا نمودہ ـــ می نوشت"

(۲۰) صفحہ ۳۴۳ (سطر ۱۷) میں ہے :۔ "ہمیشہ دعا فقیر در خلوت و جلوت۔"

(۲۱) صفحہ ۳۴۴ (سطر ۴) میں آیا ہے :۔ "اگر این طریق را مردم دست آویزد اگر ساختہ اند ترک دہید" کیا سے کیا عبارت ہوگئی۔

بہرحال یہ تمام اغلاط ہم کاتب کے ذمے بھی کردیں، تب بھی اس مکتوب میں

اضافے معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان میں وہ روانی نہیں جو حضرت شیخؒ کے اس مکتوب میں ہے جو انھوں نے اکبر کے انتقال پر نواب سید فرید مرتضیٰ خاں کو لکھا تھا۔ اور جو پروفیسر نظامی صاحب کی اسی کتاب (صفحہ ۲۷۸ بعد) میں درج ہے۔ آئیے اب ذرا اُس "نیم تحقیقی" مکتوب کا ایک اجمالی جائزہ بھی لے لیں۔

مکتوبات شریف کے تیسرے دفتر میں مکتوب نمبر ۱۲۱ کی ابتدائی سطور یہ ہیں:-

"صحیفۂ گرامی کہ از روے شفقت و مہربانی نامزد این فقیر ساختہ بودند' بمطالعۂ آن مشرف گشت' اندراج یافتہ بود کہ عزیزے بر عبارت مکتوبے[1] کہ در اجمیر نوشتہ بودی اعتراضہا دارد' درحلِ آن باید نوشت۔ و بعضے از یاران چون تعین موضع اشتباہ نوشتہ بودند بہ اندازۂ آن چند مقدمہ ہا در حلِ آن اشتباہ نوشتہ آید۔

....." حضرت مجددؒ ۱۰۳۲ھ میں[2] اجمیر شریف میں تھے۔ اسی زمانے میں ایک مکتوب لکھا ہوگا، جس پر شور و غوغا ہوا۔ مذکورۂ بالا مکتوب کے آخر میں یہ عبارت ہے:-

"..... پس این ہمہ شور و غوغا چیست؟ اگر لفظے صادر شدہ است کہ ظاہر ش مطابقت بہ علوم شرعیہ نہ دارد' آن را باندک توجہ از ظاہر صرف نمودہ مطابق باید

---

[1] یہ مکتوب غالباً دفتر سوم میں مکتوب نمبر ۸۷ ہے۔

[2] زبدۃ المقامات (صفحہ ۲۲۰۔ ترجمہ) میں ہے کہ شیخ محدثؒ کے صاحبزادے نور الحق نے اجمیر شریف میں (۱۰۳۲ھ میں) حضرت مجددؒ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت کا راز دریافت کیا تھا۔ دفتر سوم میں مکتوب نمبر ۱۰۰ میں نور الحق کو اسی بات کا جواب لکھا ہے۔

ساخت و مسلمانے را متہم نہ باید کرد۔ اشاعتِ فاحشہ و تفضیح فاسق ہرگاہ در شریعت حرام و منکر باشد تفضیح مسلمانے بمجرد اشتباہ چہ مناسب بود و شہر بشہر منادی کردن کدام تدیّن باشد؟ طریقِ مسلمانی و مہربانی آن است کہ کلمہ کہ ظاہرش مخالفِ علوم شرعیہ است اگر از شخصے صادر شود باید دید کہ قائلِ آن کیست۔ اگر ملحد و زندیق بود ردِّ آن باید کرد و در اصلاحِ آن نہ باید کوشید۔ و اگر قائلِ آن کلمہ مسلمان بود و ایمانے بخدا و رسولؐ داشتہ باشد در اصلاحِ سخنِ او باید کوشید و محلِ صحیح از برائے آں پیدا باید نمود۔ یا از ان قائل حلِ آن باید طلبید۔ و اگر در حلِ آن عاجز آید بہ نصیحتش باید کرد و امرِ معروف و نہیِ منکر برفق اولیٰ است کہ بہ اجابت نزدیک است۔ و اگر مقصود اجابت نہ باشد و تفضیح مطلوب بود امر دیگر است۔ اللہ تعالیٰ توفیق دہاد!" اور اسی مکتوب کے اندر ایک تنبیہ بھی ہے۔ وہ اس طرح ہے:۔

"......سادہ لوحے از این عدم توسّط کہ در طریقِ جذبہ و غیرہا گفتہ شدہ است استغنائے از تبعیتِ خیر البشر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ و السلام گمان نہ برد کہ آن کفر و الحاد و زندقہ است و انکار است از شریعتِ حقّہ او علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ و السلام۔ و بالا گذشتہ است کہ جذبہ بے توسّطِ سلوک عبارت از اتیانِ شریعت است علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ و التحیۃ۔ ابتر و ناتمام است۔ و نقمت است کہ بصورتِ نعمت بر آمد۔ و حجّت را بر صاحب جذبۂ ناتمام تمام کردہ۔"

اس مکتوب کو بالاستیعاب پڑھنے کے بعد حضرتِ شیخ محدّث کا مکتوب (پروفیسر نظامی صفحہ ۳۱۲۔ بیعد) پڑھیے تو اندازہ ہو سکے گا کہ اس میں مضامین کے لحاظ سے خاصے اضافے ہیں۔ حضرت مجددؒ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوب میں پیر مرادی و پیر مریدی پر بحث کی ہے۔ پھر محمدی المشرب سالک کے متعلق ذکر ہے کہ وہ

کمالِ متابعت بلکہ محض فضل سے ایسے مقاماتِ عروج میں پہنچتا ہے جہاں اُسے حقیقتِ محمدی سے اتحاد حاصل ہوتا ہے۔ جذب کی وجہ سے توسط دُور ہو جاتا ہے۔ لیکن ہندوؤں اور کافروں کو حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت حاصل نہیں، اس لیئے انھیں سوائے جذب کے اور کچھ حاصل نہیں۔ پھر یہ بھی بتایا ہے کہ واصل و موصول کے درمیان سے حیلولہ کیونکر دُور ہو سکتا ہے۔ افلاطون نے باوجود ریاضت کے خود کو انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے مستغنی جانا، اس لیے اس کی ریاضت بے کار گئی۔ پھر یہ بھی بتایا ہے کہ جذب کے معاملہ میں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط وعدم توسط میں مشائخ قدس سرہم کا بہت اختلاف ہے۔ اور آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ جس قدر سکر زیادہ ہوگا شطح غالب ہوگا۔ وغیرہ۔ بس اتنی باتیں جواب میں کہی گئی تھیں۔ اسی لئے حضرت شیخؒ کے مکتوب میں جو اضافے اور جو اندازہ اسلوب ہے وہ ضرور دوسروں کی طرف سے ہے۔ اور علمائے ظواہر کے فتوے بھی اسی لیے لازمی امر ہیں اسی لیے فتوے بھی لازمی امر ہیں۔ لیکن فاضل محترم کو پھر جوش آیا ہے۔ اور انھوں نے یہ بحث کی ہے کہ "اخبار الاخیار کے مجتبائی ایڈیشن کے آخر میں ناشر یا مرتب نے اپنی طرف سے حضرت مجدد کا ذکر بڑھا دیا ہے۔ (صحیح ہے) اور کہا ہے کہ آخر عمر میں شیخ محدثؒ نے حضرت مجددؒ کے متعلق اپنے خیالات سے رجوع کیا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے تذکرے میں یہی رائے ظاہر کی ہے اور پروفیسر خلیق احمد نظامی نے بھی رسالہ کا ذکر کرتے ہوئے اسی رائے کا اظہار کیا ہے ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ حضرات رجوع کے معاملے میں بعض غلط فہمیوں

لہ۔ ان فتووں کا ذکر غلام معین الدین عبداللہ کی معارج الولایت میں ہوگا۔ دیکھیں حیات شیخ عبدالحق از پروفیسر نظامی۔ دہلی ۱۹۵۳ صفحہ ۳۱۲۔

میں مبتلا ہے (صفحہ ۱۳۱)"۔ اس قول میں محترم نے ان حضرات کو غلط فہمیوں کا شکار کہا ہے۔ حالانکہ معاملہ بر عکس نظر آتا ہے۔ محترم نے یہ دلیل دی ہے کہ شیخ محدثؒ کا وہ خط جو شیخ حسام الدین کے نام ہے وہ اس لیے مشتبہ ہے کہ وہ مجموعۂ مکاتیب میں نہیں ہے۔ (لیکن کیا وہ خط جو پروفیسر نظامی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۱۲ سے نقل کیا ہے مجموعۂ مکاتیب میں تھا؟)۔ دوسری دلیل پیش کی ہے کہ نظامی صاحب کے نقل کردہ خط میں زیادہ محبت و ارادت ہے۔ لیکن مجتبائی ایڈیشن والے "صفائی" یا "رجوع" والے خط میں کم ارادت ہے۔ اور اس میں مجددؒ نہیں کہا بلکہ "میاں احمد سرہندی سلمہ اللہ تعالیٰ" (یعنی میاں میر کی طرح) ہی کہا ہے۔ بس ان دلائل کی بنا پر فاضل محترم نے اس رجوع والے خط کو مشتبہ ہونے کا فیصلہ دیدیا ہے۔ اور اس خط کی زبان یا سیک پر غور کرنے کی بالکل زحمت نہیں فرمائی۔ ہمارا خیال ہے کہ "رجوع" یا "صفائی" ضرور ہو چکی تھی۔ اور ان جیسے بلند پایہ بزرگوں کی شان کا تقاضا بھی یہی تھا۔ مجتبائی ایڈیشن والے خط میں حضرت مجددؒ کے نام کے ساتھ "سلمہ اللہ تعالیٰ" کا دعائیہ فقرہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ صفائی یا رجوع اُن کی زندگی ہی میں (یعنی ۱۰۳۴ھ سے پہلے) ہو چکا تھا۔ یہ جملہ حضرت محدثؒ کے اعلیٰ ظرف کی شہادت دیتا ہے کہ "درین ایام صفائے فقیر بخدمت میاں شیخ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ از حد متجاوز است واصلاً پردۂ بشریت وغشاوۂ جبلت بہ میان

لہ۔ مجدد کہلائے جانے کے متعلق زبدۃ المقامات کی فصل پنجم ملاحظہ ہو۔

نہ ماندہ ....." ؎

پھر فاضل محترم نے (صفحہ ۳۱۸-۳۲۰) ایک اور اضافہ یہ فرمایا ہے کہ شیخ محدثؒ نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ کے سبب تالیف میں جو "درویشان مغرور" کا ذکر کیا ہے اُس سے مراد حضرت مجددؒ ہیں۔ (معاذ اللہ) اصل عبارت (مدارج النبوۃ کی) یہ ہے:

"چون از فساد زمان آخر انے در مزاج وقت بعضے درویشان مغرور این روزگار راہ یافتہ واز تیرگی آئینۂ استعداد وتنگی حوصلۂ ادراک پایۂ ارفع و مقام اقدس محمدی راکہ ہیچ کس را بدرک و دریافت آن راہ نیست نہ شناختہ

؎ مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے نزھۃ الخواطر جلد پنجم میں لکھا ہے۔ وممن خالفہ الشیخ عبدالحق بن سیف الدین البخاری الدھلوی فانہ الف رسالۃ فی تعقبہ واورد ایرادات شتی علی مقالاتہ فرد علیہ الشیخ عبدالعزیز بن ولی اللہ العمری الدھلوی والشیخ غلام علی العلوی الدھلوی وخلق کثیر من العلماء والمشائخ وقیل ان الشیخ نورالحق بن عبدالحق الدھلوی ایضاً خالف اباہ فی ذلک بل استفاد الطریقۃ عن الشیخ محمد معصوم و الشیخ محمد سعید ابنی الشیخ احمد والمشھور ان الشیخ عبدالحق رجع فی آخر عمرہ عن الانکار علیہ وکتب فی رسالۃ لہ الی الشیخ حسام الدین ابن نظام الدین البدخشی الدھلوی الخ۔ یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجدد کے نام کے ساتھ "سلمہ اللہ تعالیٰ" لکھا ہے تو اردو والوں کی طرح یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ عمر میں چھوٹے ہونے کی وجہ سے ایسا لکھا ہوگا۔ بلکہ فارسی میں بڑوں کیلئے بھی ایسا لکھا جاتا تھا۔ انوار احمدیہ (محمد سلیمان حیدر آباد دکن ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۵۲-۱۵۶)
میں شیخ فتح محمد چشتی کی مناقب العارفین کے حوالے سے ہے کہ حسن افغانی نے مکتوبات شریف کا مسودہ چرایا اور شرارت سے فتنہ کھڑا کیا اور شیخ عبدالحق نے تردید لکھی۔ لیکن جب حقیقت ظاہر ہوئی تو انھوں نے حضرت مجدد سے معذرت کی۔ ..

وتقصیرے در ادائے حق نمودہ و از جادۂ دین و صراطِ مستقیم بر افتادہ بودند، لازم حقِ مسلمانی آن نمود کہ احوال و صفاتِ قدسیہ… نگارش نماید و این بے خبران را از حقیقتِ حال آگاہ گرداند"۔ یہاں بحث ان لوگوں کے متعلق ہے جنھوں نے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو فراموش کر دیا تھا۔ اور جادۂ دین و صراطِ مستقیم سے دور ہو گئے تھے۔ یعنی بقول پروفیسر نظامی کے "یہ لوگ اکبر اور اس کے ساتھی تھے۔ لیکن محترم فرماتے ہیں کہ یہ حضرت مجددؒ تھے۔ کس قدر ظلم اور سینہ زوری ہے۔ کیا حضرت مجددؒ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو فراموش کر دیا تھا۔ کیا وہ کبھی جادۂ دین و صراطِ مستقیم سے ہٹ گئے تھے؟ کیا انھوں نے پوری عمر شریعت کی پیروی پر زور نہ دیا ہے (بلکہ شدت بھی اختیار کی ہے۔ اور پھر رسالہ اثبات النبوۃ محض اسی نبوت و شریعت کی محبت کی بنا پر لکھا تھا۔) تو وہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی پر نازاں نہیں تھے؟

فاضل محترم نے ایک اور ستم یہ ڈھایا ہے کہ مدارج النبوۃ کے اس اقتباس میں جس رسالہ کا ذکر ہے اس سے وہی مکتوب مراد لے لیا ہے جو شیخ محدثؒ نے حضرت مجددؒ کو بعض شبہات سے متعلق لکھا تھا۔ وہ اقتباس یہ ہے:۔

"بعض کوتاہ بینان کہ شہود حق را از وساطت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مفارق می دانند و بہر رخنہ دے واقف نمی شوند این معنی در رسالۂ جدا آوردہ، بعضے از مدعا ہارا مشرح تر ازین گفتہ ایم"۔

حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت کے بغیر "شہود حق" کے مدعی اکبری اسکول والے تھے، جنھوں نے اپنی کتابوں سے (اور خطبوں سے بھی) لغت خارج کر رکھی تھی۔ اکبری اسکول کی اس فتنہ پردازی کا ذکر حضرت شیخ کے رسالہ نور محمدی

میں جا بجا ملتا ہے۔ (آگے عرض کیا جا سکے گا) حضرت مجددؒ پر فاضل محترم نے افترا اور بہتان باندھا ہے کہ انھوں نے شہود حق کے لیے اس وساطت کو مفارق سمجھا ہے۔

ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ حضرت مجددؒ نے محمدی المشرب سالک کے لیے کہا ہے کہ وہ "کمال تبعیت" کی وجہ سے جذب میں کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت کے بغیر (یعنی مقامات عروج تک شہود حق تک نہیں پہنچ جاتا ہے۔ اور ایسے محمدی المشرب سالک کے "کمال تبعیت" والے مسلک ہی کا انھوں نے ذکر کیا تھا۔ اب ذرا دیکھیے کہ فاضل محترم نے جس بنیاد پر افترا پردازی کی عمارت کھڑی کی تھی وہ اس طرح ڈھے جاتی ہے کہ حضرت شیخ کی کتاب مدارج النبوۃ کا حضرت مجددؒ کے زمانے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ یہ کتاب حضرت مجددؒ کے بہت بعد لکھی گئی۔ (یعنی ۱۰۳۴ھ کے بعد بھی اکبری فتنوں کا اثر باقی تھا۔[1] اس کتاب کے باب دہم (در انواع عبارات) میں یہ عبارت ہے:۔

"شیخ امام عامل اجل علی متقی رحمۃ اللہ علیہ درین باب (رفع سبابہ در تشہد) رسالہ جمع کردہ و روایات فقہیہ از مذہب حنفی بہ اختلافے کہ در آنہاست ذکر کردہ احادیث صحیحہ آوردہ جانب عقد و اشارات را راجح ساختہ و آن رسالہ را در شرحین مشکوٰۃ و شرح سفر السعادہ ترجمہ کردہ ایم۔"[2]

لیجیے، یہاں تو کچھ اور ہی معاملہ ہے۔ یعنی شیخ محدثؒ نے شیخ علی متقی برہان پوری (م ۹۷۵ھ) کے رسالہ کو شرح مشکوٰۃ اور شرح سفر السعادہ میں ترجمہ کرلیا تھا۔ شرح المشکوٰۃ انھوں نے ۱۰۲۵ھ میں لکھی تھی۔ اور شرح سفر السعادہ کا وہ نسخہ جو شیخ محدثؒ

---

[1] فاضل محترم کے اس اعتراف کو بھی یہاں یاد رکھنا چاہیے کہ "مریدان شاہی بالخصوص درشنیوں کا تھوڑا بہت سلسلہ اکبر کے بعد بھی جاری رہا۔ اور یہ فی الحقیقت جلال ملوکیت کا ایک کرشمہ تھا۔ (صفحہ ۱۳۲) [2] مدارج النبوۃ۔ طبع لکھنؤ ۱۲۹۴ھ صفحہ ۲۶۸

کے دستِ خاص کا لکھا ہوا ہے اور بانکی پور میں ہے ۱۰۳۳ھ (۲۷ جمادی الاخریٰ) میں مکمل ہوا تھا۔ یعنی ۱۰۳۳ھ کے بعد مدارج النبوۃ جیسی طویل کتاب لکھنی شروع کی ہوگی۔ اور اس میں خاصا وقت صرف ہوا ہوگا۔ کیونکہ وہ بہت ضخیم کتاب ہے۔ نول کشور پریس کے باریک خط سے اس کے ۵۶۳ + ۹۱۷ صفحات ہیں۔ (اور اس کے صرف دوسرے حصّہ کے اُردو ترجمہ کے قریب گیارہ سو صفحات ہیں)۔ اور اس کا انداز وہی ہے جو معین الدین کی معارج النبوۃ فی مدارج الفتوۃ (مصنفہ ۸۹۱ھ [۱]) کا ہے۔ حضرت مجددؒ ۱۰۳۴ھ کے آغاز (یعنی ۲۸ صفر) میں انتقال فرماتے ہیں۔ اس لیے شیخ محدثؒ کی کتاب یقیناً ان کے بہت بعد تکمیل کو پہنچی ہوگی۔

اب ذرا اس رسالے کے مضامین کا مطالعہ بھی کر لینا چاہیے جس کا ذکر مدارج النبوۃ میں ہے۔ اور جس کے متعلق فاضل محترم نے فرمایا ہے کہ وہ حضرت مجددؒ کے خلاف لکھا گیا ہوگا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ دراصل وہ رسالہ فقرِ محمدی ہے اور اس میں بتایا گیا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر و درویشی کے زمرے میں کون لوگ آ سکتے ہیں۔ تجدید توبہ اور پانچ وقت کی نماز کا اہتمام بھی ہو۔ اسی کے ذیل میں لکھا ہے کہ "صلوٰۃ بر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بسیار گوئی، و پیوند باطن را با وے متصل و قوی داری، تا وے در دلِ تو جائے کند کہ مشائخ در دلِ فقرا و مریدانِ ایشان۔ می بینی کہ چوں شیخے و پیرے کہ نزد وے مذکور گردد چہ اضطراب کند و در اہتزاز آید بجہت عظمتے و منزلتے کہ شیخ را در دلِ اوست۔ پس بگرداں تو پیغمبر خود را و شیخ خود را کہ محمد رسول اللہ ہست صلی اللہ علیہ وسلم در دلِ خود ہمچنیں تا محبتِ او تمامہ ترا در گیرد و دل ترا مالک گردد۔ و تمثالِ او در چشم تو دایم بود ..." آگے چل کر یوں آتا ہے

---

[۱] آغازِ کتاب میں معین الدین نے یہی ۸۹۱ھ دیا ہے۔ اس کی تکمیل میں بھی دو تین سال ضرور صرف ہوئے ہوں گے

کہ "چوں دلہا از شنیدنِ بدایات تنگی کند شنیدنِ نہایات کجا طاقت دارد ـــ و می گوید کہ واجب است بر ما کہ بگرییم بر احوالِ خود کہ مبتلا شدہ ایم امروز بطائفہ کہ شغل ایشان اکلِ حرام است و کارِ ایشان بطالت ـ حلال نزد ایشان ہمان بود کہ بیابند و حرام ہمان کہ نیابند ....." پھر یوں بھی آتا ہے کہ "این ترجمۂ آن رسالہ است بعد از اختصار و حذف بعضے تفصیلات و تطویلات او بعد از تاملِ نیک ظاہر شود کہ قصدش نفیِ طریقۂ مشائخ در تربیت و تسلیکِ درویشان و توسل و تمسکِ طالبانؒ مریدان بذیلِ ارادتِ ایشان نیست ـ مقصودش ترغیب و تحریص بر طریقۂ اتباع و اخذ بہ سنّت و رعایتِ تقویٰ و تدین است و ترجیح و تقویتِ طریقۂ سلفِ صالح کہ صحابہؓ و تابعینؒ با صحابہ اند و اجتناب از بدعت و طُرقِ مستحدثہ کہ مخالفِ اصل پیدا کردہ باشند و مذمتِ جماعتے کہ دین بدنیا فروشند در عمل و اعتقاد تابع ہوائے نفس باشند و نفاق در دین دارند....." کچھ اور آگے یوں آتا ہے کہ "مقصودش تنبیہ است بر تمسک و تعلق بہ اصل اصول و اقتباسِ نور از آن منبعِ انوار و استغراقِ محبت و اہتمام بہ متابعتِ سنّتِ وے صلی اللہ علیہ وسلم تا بہ فرع از اصل باز نہ مانند ...... نہ آنکہ اصلا طلبِ آن نہ نمایند و در تحصیلِ آن نہ کوشند و اہتمام بدان نہ ورزند بلکہ خبر از ان نہ دارند و گاہے بود کہ بر عکسِ آن روند و اصل را تابع و موافقِ فرع سازند و آن را باین تاویل نمایند و این روش یا جہل است یا الحاد[1]....." اور

---

[1] پروفیسر نظامی نے (۱۳۹) لکھا ہے کہ "خواجہ باقی باللہؒ نے شیخ محدثؒ سے ایک مرتبہ رسالہ فقر محمدی کے مصنف اور مضمون کے متعلق دریافت کیا۔ شیخ محدثؒ نے ان کے استفسار کے جواب میں جو کچھ لکھا وہ ہندوستان کے حالات پر بصیرت افروز تبصرہ تھا جس میں اس کتاب کی آڑ لے کر حالاتِ گردوپیش پر نہایت بالغ نظری کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ پردے پردے میں انھوں نے عہدِ اکبری کے سب فتنوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے"۔

آخر میں شیخ علی متقی برہان پوری (م ۹۷۵ھ) کے اسی انداز کے مضمون پر رسالہ ختم کیا ہے۔

اب اسی قسم کے مضامین مدارج النبوۃ میں بھی ملاحظہ فرمائیے تاکہ معلوم ہو سکے کہ جس رسالے کی تلخیص کا ذکر مدارج النبوۃ میں ہے وہ یہی ہے۔ "شہودِ حق بغیر از وساطت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم" سے متعلق مدارج النبوۃ کا اقتباس ہم نے فاضل محترم کے بیان میں دیکھ لیا ہے۔ اسی مسئلہ پر رسالۂ فقر محمدی کی بحث کا ایک اقتباس ابھی اوپر درج ہوا۔ تفصیل اصل رسالے میں دیکھی جا سکتی ہے۔ جس میں "اتباع و اخذ بسنت" کی ضرورت پر مضامین ہیں۔ اسی رسالے کے ایک اقتباس میں ہم یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ۔

"پس بگردان تو پیغمبرِ خود را و شیخ خود را کہ محمد رسول اللہ ست صلی اللہ علیہ وسلم در دلِ خود ..... و تمثالِ او در چشم تو دایم بود ....." اسی چیز کو مدارج النبوۃ میں بھی پیش کیا ہے۔ کہ "تصورِ جمال اور مطالعۂ کمال اور ہر گھڑی اس کو ملحوظ رکھنا اور اس کام کی مشق اور اس کا مراقبہ کرنا اس حیثیت سے مقصود ہے کہ وہ جمالِ جانفزا ہمیشہ پیشِ نظر رہے اور مفارقت نہ کرے۔ اور یہ واسطے حصولِ کمال اور قرب اور وصال کے طریقوں میں سے قریب تر طریق ہے اور حصول درجۂ صحبت کا اور اصحاب وافر النصاب میں شامل ہونے کا ساتھ حاصل ہونے صحبتِ معنوی کے اور سعادتِ کبریٰ و نعمتِ عظمیٰ کے سبب ہے اور اگر بہ طریقِ اتصال اور دوام کے اس پر قابو نہ ملے تو چاہیے کہ کسی وقت صلوٰۃ و سلام کے وقت میں جو روشنیِ راہ اور حضوریِ درگاہ کے لیے قریب تر طریقوں میں سے ہے۔ اس کو نگاہ رکھے ....[1]" قریب قریب یہی مضمون اس رسالے میں ہے۔ اب آپ ہی فیصلہ کر لیجیے کہ مدارج النبوۃ میں کس رسالے کا ذکر ہے۔ اور مدارج النبوۃ کیوں لکھی گئی۔

---

[1] - مدارج النبوۃ (ترجمہ) مطبوعہ لکھنؤ ۱۹ ... ھ - جلد دوم صفحہ ۱۰۷ - (باقی صفحہ ۵۲ پر)

فاضل محترم نے (صفحہ ۲۴۰) حضرت مجددؒ کے ایک مکتوب (نمبر ۶۵۔ دفتر اول) کا حوالہ صرف اس لیے دیا ہے کہ اس میں خانِ اعظم کو "ضمنی طور پر" وعظ و نصیحت فرمائی ہے لیکن فاضل نے ازراہِ دور اندیشی اس کے مضامین بیان نہیں کیے، کیونکہ اس مکتوب میں ایک مسلمان بادشاہ کے زمانے کی حالت بیان کی گئی ہے۔ اور یہ چیز فاضل گرامی کے مقصد کے منافی ہے۔ کیا حرج ہے، ہم بھی اس مکتوب کے چند اقتباسات دیکھ لیں:۔ "اسلام کی غربت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کفّار کھلم کھلا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمّت کرتے ہیں۔ اور ہر کوچہ و بازار میں نڈر ہو کر کفر کے احکام جاری کرتے ہیں۔ اور اہلِ کفر کی تعریف کرتے ہیں۔ اور مسلمان، اسلام کے احکام جاری کرنے سے رُکے ہوئے ہیں، اور شرائع کے بجا لانے میں مذموم و مطعون ہیں...... کہا گیا ہے کہ شرع تلوار کے نیچے ہے اور شرع شریف کی رونق بادشاہوں پر منحصر ہے۔ لیکن اب قضیہ برعکس ہو گیا ہے اور معاملہ بدل گیا ہے۔ ہائے افسوس، صد افسوس۔ (جب کفر و الحاد کا قلع قمع ہو گیا تو اب ایسا کیوں کہا؟)...... پہلی سلطنت میں (عہدِ اکبر) دینِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ دشمنی مفہوم ہوتی تھی۔ اور اس سلطنت میں ظاہر طور پر وہ عناد نہیں۔ اگر ہے تو بے علمی کے باعث ہے۔ یہ ڈر ہے کہ ایسا نہ ہو کہ عناد و دشمنی تک پہنچ جائے۔ اور مسلمانوں پر معاملہ اس سے بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱) اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۹ میں بھی اسی طرح ہے:..... "پہلی قسم تعلق معنوی کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ شریف کا تصوّر کرنا اور ذہن میں حاضر کرنا ہے یا اس چیز کا تصوّر جو آپ کے ساتھ تعلق رکھتی ہو مداومت اور ملازمت، درہیبت و اجلال اور عزت و کمال سے ہے۔ پس تو لازم کرے کہ اس میں سعادت گیری اور مکانت نفعی ہے!..."

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ حضرت مجددؒ نے دفتر سوم کے مکتوبات ۹۷ و ۱۲۲ میں حقیقتِ محمدیؐ پر جو بحث کی ہے قریب قریب وہی بحث آسان لفظوں میں مدارج النبوۃ کے صفحات ۱۰۷-۱۰۹ میں بھی نظر آتی ہے۔

زیادہ تنگ ہو جائے ......" اسی سے ملتا جلتا مضمون مکتوب نمبر ۹۲ (دفتر دوم) میں بھی آتا ہے:- "..... الشریعۃ تحت السیف کے موافق شریعت غرّا کی ترقی و رواج شاہان بزرگ کے حسن انتظام پر موقوف ہے۔ جب سے یہ امر ضعیف ہو گیا ہے اُسی دن سے اسلام بھی ضعیف ہو گیا ہے۔ کفار ہند بے تحاشا مسجدوں کو گرا کر وہاں اپنے معبد و مندر تعمیر کر رہے ہیں۔ چنانچہ تھانیسر میں.... ایک مسجد اور ایک بزرگ کا مقبرہ تھا' اس کو گرا کر اس کی جگہ بڑا بھاری مندر بنایا ہے۔ (لیکن کفر و الحاد کا قلع قمع تو ہو چکا تھا؟) نیز کفار اپنی رسموں کو کھلم کھلا بجا لا رہے ہیں۔ اور مسلمان اکثر اسلامی احکام کے جاری کرنے میں عاجز ہیں۔ ایکادشی کے دن ہندو کھانا ترک کر دیتے ہیں۔ بڑی کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی شہروں میں کوئی مسلمان اُس دن روٹی نہ کھائے اور نہ بیچے۔ اور وہ کفار ماہ مبارک رمضان میں برملا طعام پکاتے اور بیچتے ہیں۔ مگر اسلام کے مغلوب ہونے کے باعث کوئی روک نہیں سکتا۔ ہائے افسوس! بادشاہ وقت ہم میں سے ہو اور پھر ہم فقیروں کا اس طرح خستہ و خراب حال ہو" ؎۱ مکتوب ۱۳۸ (دفتر دوم) میں اگرکوٹ کے مسلمانوں پر ہندوؤں کے مظالم کا ذکر ہے۔ دیکھیے حضرت مجددؒ اپنے زمانے کے کفار کی جسارت کا ذکر کر رہے ہیں کہ وہ لوگ مسجدوں اور مقبروں کو منہدم کر کے ان کی جگہ مسجد بنا رہے ہیں اور ایکادشی میں مسلمانوں کو کھانا کھانے اور بیچنے نہیں دیتے اور خود رمضان میں

؎۱ اسی مکتوب میں حضرت مجددؒ نے بعض فقہا کے اس فیصلے سے اختلاف کیا ہے کہ سجدۂ تعظیمی جائز ہے۔ فاضل محترم نے صفحہ ۸۰ میں لکھا ہے کہ تاج الدین نے بادشاہ کے لیے سجدہ تجویز کیا تھا۔ پھر صفحہ ۱۴۷ میں لکھا ہے کہ قاضی خان نے بادشاہ کے لیے سجدہ کرنے کا فتویٰ جاری کیا تھا۔ اور صفحہ ۳۵۵ میں لکھا ہے کہ چشتیہ حضرات سجدۂ تعظیمی ادا کرنے کے عادی تھے۔

کھلم کھلا کھانا کھاتے اور فروخت کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں کا کشت و خون ہو رہا ہے۔

یہ جہانگیر کے زمانے کے حالات ہیں۔ اور فاضل محترم کا ارشاد تو یہ تھا کہ کفر و الحاد کا خاتمہ اکبر کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ (یہ اور بات ہے کہ ایسا کفر و الحاد پوری جسارت اور غلبے کے ساتھ قائم تھا)۔ اکبر کے زمانے میں بھی مسلمانوں اور اسلام کی توہین و تذلیل کے واقعات بہت ملتے ہیں۔ فاضل محترم بھی (صفحہ ۹۶-۹۷) لکھ چکے ہیں کہ متھرا کے قاضی نے مسجد بنانے کے لیے مسالا جمع کیا۔ ایک ہندو مالدار نے زبردستی وہ مسالا چھین لیا۔ اور اُس سے مندر بنا لیا۔ قاضی نے روکنا چاہا تو اُس ہندو نے نہ صرف اسلام کو بُرا بھلا کہا بلکہ حضورِ انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں گستاخیاں کیں۔ اسی طرح فاضل نے (صفحہ ۱۰۱) پادریوں کا واقعہ بھی لکھا ہے کہ وہ لوگ بھی کھلّم کھلا حضورِ انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں بُرے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اکبر و ابوالفضل وغیرہ اُس وقت بھی مصلحت کا فلسفہ یاد کرنے میں مصروف تھے۔ اس سے بڑھ کر بے غیرتی اور کیا ہو سکتی ہے؟

حضرت مجدّد رحمۃ اللہ علیہ اس قسم کی تذلیل و توہین کو دیکھ کر کڑھتے تھے۔ اور بار بار اُمرا کو لکھتے تھے (جو بقول مصنّف کے ضمناً لکھتے تھے۔ کیونکہ مکتوبات میں اور باتیں بھی ہوتی تھیں۔ اور وہ نہیں ہونی چاہئیں۔) چنانچہ کانگرہ کے بت کی تذلیل کے لیے جو مکتوب (۲۶۹ دفتر اول) اُنھوں نے شیخ فرید کو لکھا تھا اُس کو

---

[1] اس سے پہلے بھی ایک مسلمان بادشاہ کے زمانے میں شعائرِ اسلام ختم ہو چکے تھے، اور خنزیر کا گوشت فروخت ہوتا تھا۔ (صفحہ ۷۲) یعنی اُس وقت بھی مصلحت کا فلسفہ زیرِ غور تھا۔

فاضل محترم نے (صفحہ ۲۷۳) خوب اُچھالنے کی کوشش کی ہے۔ اور آخر "بے چارے" یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ "ملکی معاملات میں سیاسی مصلحتوں اور فیضِ عام کے اصولوں کو چھوڑ کر جوش اور غصّے کی پیروی کرنے سے جو زوال ہوا اور اس ملک میں اسلامی نظام درہم برہم ہو گیا اُس کا ذمّہ دار کون تھا؟ (صفحہ ۲۷۸)"۔ فاضل محترم کی یہ رائے ہی کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اگر کفّار گستاخی کریں اور اسلام کی توہین و تذلیل کریں تب بھی کوئی ہرج نہیں (خواہ قرآنِ پاک ایسی حالت میں وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ کا بھی حکم دیتا رہے)۔ ورنہ دیکھ لو کہ وہ جو دو سو سال کے بعد مغلیہ سلطنت کا زوال ہوا وہ سب حضرت مجددؒ کی وجہ سے ہوا ہے۔ یعنی اُن کا اتنا اثر ہوا (حالانکہ فاضل یہ بھی فرما چکے ہیں کہ حضرت مجددؒ بار بار بلاوجہ مکتوبات لکھتے تھے۔ اور اثر نہ ہوتا تھا۔[۳] بلکہ بغیر مکتوبات کے بھی مکتوب الیہم کو دین کی خدمت کا احساس تھا)۔ محترم کو خیال نہیں رہا کہ دراصل وہ مصلحت ہی کا فلسفہ تھا جس نے کفّار کی جسارت کو روز بروز تقویت پہنچائی اور مسلمانوں کو مجبور ہو کر پاکستان کا مطالبہ کرنا پڑا۔[۴]

---

[۱] ایک صاحب نے معاشی مصلحت کی بنا پر فاضل محترم کی حمایت میں ہی کانگڑہ کے بت کی تذلیل کا معاملہ رسالہ الرحیم (حیدرآباد۔ جنوری ۱۹۶۴ء) میں اُچھالا ہے۔ [۲] محترم نے جوش میں آکر اسی کے آگے یہ بھی فرما دیا ہی کہ سکھوں نے سرہند کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ مرہٹوں نے سکندرہ کے مزار کی ضرور اینٹ سے اینٹ بجا دی بلکہ اس بجانے میں بچانے کی چیز بھی نہ چھوڑی۔

[۳] محترم نے صفحہ ۲۷۲ میں بھی لکھا ہے کہ شیخ فرید نے حضرت مجددؒ کے مکتوبات کا اثر نہیں لیا۔

[۴] اور اب بھی ۱۷ سال سے مصلحت کا فلسفہ پڑھا جا رہا ہے۔ اور کشمیر کا معاملہ طے ہونے نہیں پاتا۔ جبکہ اسی دَور میں نہر سوئز جیسے اہم معاملے کو طے کیا جا سکتا تھا۔

قرآن پاک میں نہ معلوم کیوں اس قسم کی آیات نظر آتی ہیں:۔

۱۔ یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنَافِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ۔

۲۔ وَاِنْ نَّکَثُوْٓا اَیْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْکُفْرِ

۳۔ وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ۔

۴۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ ۝ کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝

۵۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ۔

طائف اور مکہ معظمہ میں بت کیوں توڑے گئے؟ اور مصلحت کا فلسفہ زیر غور کیوں نہیں ہوا؟ مکی زندگی اور مدنی زندگی کی جو امتیازی خصوصیات ہیں اُن پر غور فرمائیں تو پھر مصلحت کے صحیح فلسفے کی گتھیاں سلجھائی جاسکیں گی۔ اور یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ باقویہ رنگ میں جمال اور مجددیہ رنگ میں جلال کیوں تھا؟ (صفحہ ۱۹۹-۲۰۱) [۱]

یہاں تک فاضل محترم کے ان اعتراضات کے جوابات عرض کیے گئے۔ جو زیادہ معاندانہ نہیں تھے۔ لیکن اب ایسی تنقیص کے متعلق عرض کرنا ہے جو سراپا "شر" اور نہایت غیر سنجیدہ ہے۔ فاضل محترم نے معترضین کی ایک جماعت تیار کرکے اُن کی طرف سے حضرت

---

[۱] فاضل محترم نے (۱۹۸) شاید خوش ہو کر حضرت مجدد کے متعلق حضرت خواجہ باقی باللہ کے خط کا وہ حصہ بھی دے دیا ہے جس میں انھوں نے کسی سے سفارش کی ہے کہ حضرت مجدد کے اعزا کو زکوٰۃ کا پیسہ دیدیا جائے۔ محترم نے زبدۃ المقامات کا خوب مطالعہ کیا ہے اس میں لکھا ہے کہ حضرت مجدد سات بھائی تھے۔ اور کثیر العیال اعزا تھے۔ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے رقعہ ۳۸ سے بھی اُس زمانے کی عام معاشی پریشانیوں کا حال معلوم ہوتا ہے۔

مجددؒ کے مکشوفات کے متعلق یوں فرمایا ہے :-

"معترضین سمجھتے ہیں کہ (حضرت مجددؒ کے) یہ بڑے بڑے دعوے جاہلوں کو بہکانے کے لیے ہیں (پھر چالاکی سے یوں گہرافشانی ہوتی ہے :-) لیکن یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ جس بزرگ کی نیت اور دیانت داری پر شبہ کیا جاتا ہے وہ کس قدر بلند مرتبہ ہے اور جھوٹے دعووں اور ریاکاری سے کتنا دور ہے (صفحہ ۲۵۲)"۔ اسی کو تاکید الذم بما یشبہُ المدح کہا جاتا ہے۔ پھر دوسرے صفحہ (۲۵۳) پر محترم نے یہ کرم فرمایا ہے :-

"نفسیات کا اصول ہے کہ جو دُھن سر پر سوار ہو (مثلاً حضرت مجددؒ کی تنقیص کی دُھن) تو وہی عالمِ خواب یا عالمِ انجذاب میں نظر آجاتی ہے"۔ اس اصول کے تحت ہر بزرگ بلکہ نبی پر بھی افترا باندھا جاسکتا ہے۔ پھر یہ بھی حکم لگایا گیا ہے :-

"کیا انھوں نے مبتدیوں کو اُلجھانے کا سامان تو نہیں پیدا کر دیا؟" ـــ لیکن کیا مبتدیوں کے لیے وہ مکشوفات تھے جو وہ اُلجھ سکیں گے؟ پھر مجددیت[1] اور قیومیت[2] کے خلاف بھی کہا ہے کہ "کیا اس قیومیت کی قرآن و حدیث سے تائید ہوتی ہے۔ (لیکن کیا قطب اور غوث کی بھی تائید ہوتی ہے؟)۔ پھر حالی کے دو بند بھی لکھ ڈالے ہیں کہ :-

ع نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں۔

دراصل مجددیت کے متعلق محترم نے زبدۃ المقامات کی فصل پنجم ضرور پڑھی ہوگی۔ لیکن یہاں (از راہ دُور اندیشی) اس کا حوالہ نہیں دیا۔ اور جیسی حالی کے اُنھوں نے دو بند پیش کیے ہیں

---

[1] محترم کی کتاب کے صفحات ۳۱۸ ـــ ۳۲۰ شاہد ہیں کہ وہ مجددیت کے خلاف ہیں۔

[2] قیومیت کے متعلق حضرت مولانا زید ابو الحسن فاروقی مدظلہ نے اس عاجز کی درخواست پر ایک فاضلانہ مضمون عنایت فرمایا ہے جو اس کتاب کے آخر میں بطور ضمیمہ شامل کیا جارہا ہے۔

وہی حالی تو اُن لوگوں پر معترض ہیں جو سرسید کو مجدّد نہیں کہتے۔ حیاتِ جاوید میں حالی لکھتے ہیں :۔ "سرسیّد کی نسبت یہ اعتراض اکثر سنا گیا ہے کہ مصلح یا مجدّدِ مذہب ایسا شخص کیونکر ہو سکتا ہے جو علوم مروّجہ اسلام میں متوسّط درجے سے بھی کم درجہ رکھتا ہو۔ .... مصلح یا مجدّد کو علوم مروّجہ کی اتنی ضرورت نہیں کہ حق بات کے کہنے میں لومۃ لائم سے نہ ڈرے، کیونکہ وہ کوئی نئی بات نہیں کہتا۔ بلکہ جو صداقتیں محققین کی تحقیقات میں موجود ہیں اور تقلید نے اُن کی طرف سے آنکھوں پر پردے ڈال رکھے ہیں اُن کو علی الاعلان ظاہر کرتا ہے۔" [1]

محترم نے صفحہ ۴۹۵ میں بھی حضرت مجدّدؒ پر حملے کیے ہیں اور صفحہ ۲۳۵ پر لکھتے ہیں کہ :۔ "شاہ (ولی اللہ) صاحب نے ان چیزوں کی (یعنی حضرت مجدّدؒ کے کارناموں کی) جتنی اہمیت تھی، وہ بتادی ہے۔ نہ زیادہ نہ کم۔" لیکن محترم نے "زیادہ اور کم" سب کو بالائے طاق رکھ کر حضرت ولی اللہ دہلویؒ کے تمام اعترافات (حضرت مجدّدؒ کے احسانات کے متعلق) صاف اُڑا دیے ہیں۔ (کیونکہ مصلحت اسی میں تھی) لیکن الفرقان کے مجدّد نمبر میں ایک عنوان "حضرت مجدّد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی نظر میں" محترم کے لیے کافی ہوگا۔ اسی نمبر میں شروع ہی میں "مجدّدیت" [2] کی تعریف اور اہمیت بھی بتائی گئی ہے۔ اور اسی میں

---

[1] حیاتِ جاوید صفحہ ۲۲۲ – ۲۲۳ – دہلی ۱۹۳۹ء۔ فاضل محترم نے صفحہ ۱۷۲ کے حاشیے میں ایک اور نیش زنی کی ہے کہ چونکہ حضرت مجدّدؒ نے ہندو جوگیوں کے خلاف کہا ہے کہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ کی اتباع سے محروم ہیں، اس لیے معلوم ہو گیا کہ حضرت مجدّدؒ "ہندو یوگیوں کے جذب و اثر سے واقف ہو گئے تھے۔" کتنا پہلو دار جملہ ہے!

[2] مکتوب نمبر ۳۰۱ دفتر اول۔ نمبر ۴ دفتر دوم۔ نمبر ۸۷ دفتر سوم بھی مجدّدیت کے متعلق ملاحظہ فرمائیں۔ علمائے وقت میں سے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ پھر شاہ ولی اللہؒ شاہ عبدالعزیزؒ سے لے کر اب تک سبھی بڑے عالم اور

نواب صدیق حسن خاں کا "خراجِ عقیدت" بھی ہے۔ مکشوفاتِ مجددیہ کے سلسلے میں نواب نواب مرحوم لکھتے ہیں:۔ "علوم مرتبۂ کشفہائے مجدد الف ثانیؒ دریافت باید کرد کہ از سرچشمۂ صحو برزدہ وگاہے مخالفِ شرع نیفتادہ بلکہ بیشتر را شرع مؤید ہست۔ و بعضے چناں است کہ شرع ازاں ساکت ہست۔ دم تبۂ او در اولیا مثل مرتبۂ اولوالعزم ہست در انبیاء"۔ لیکن محترم کس طرح یقین کریں گے جب کہ مقصد کچھ اور ہے۔ انھوں نے مجددیت کو مہدویت کی سمت میں (صفحہ ۳۱۸) رکھا ہے۔ اور قیومیت کو (صفحہ ۲۵۸) معتوب گردانا ہے[1]۔ دراصل یہ قیومیت، مقاماتِ عروج سے متعلق ہے۔ اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ جو حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے تک لطائفِ سبعہ، نفی اثبات، تہلیل لسانی، مراقبۂ احدیت، پھر مراقباتِ مشارب اور مراقبۂ معیت تک محدود تھا وہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے ولایتِ کبریٰ، مراقباتِ کمالاتِ نبوت و رسالت و اولوالعزم، مراقبۂ حقیقتِ کعبہ، حقیقتِ قرآن، حقیقتِ صلوٰۃ، معبودیتِ صرفہ اور لاتعین کے مقامات تک وابستہ ہو گیا ہے۔ یہ چیزیں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے طفیل میں اُن کے وابستگان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ اور ان کے متعلق کسی نظریاتی بحث و تمحیص کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا میرا خیال ہے کہ ان چیزوں کا ذکر بھی اس مضمون میں نہیں ہونا چاہیے۔ جو لوگ کچھ جاننا چاہتے ہیں تو بتانے والے ایسے حضرات سے استفادہ کر لیتے ہیں۔ اور یہ کوئی ڈھکی چھپی

---

[1] فاضل محترم نے وحدتِ شہود پر بھی اعتراض کیا ہے۔ خود حضرت مجددؒ نے مکتوب نمبر ۳۱ (دفتر اول) میں اپنی رباعی کا ذکر کیا ہے۔ (جس پر فاضل نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہؒ نے فوراً سرزنش کی) جو عالمِ سکر میں لکھی تھی۔ بعد میں یہ کیفیت زائل ہو گئی۔ اور شہود کی طرف رجحان ہوا۔ دراصل فاضل محترم کے فائدے کے لیے ہی وہ رباعی بھی جو وحدتِ وجود سے متعلق ہے۔

چیزیں نہیں ہیں۔ محترم کی خدمت میں اس سے زیادہ عرض نہیں کیا جا سکتا بہرحال محترم کے ہم ممنون ہیں کہ اُنھوں نے یہ اعتراف کیا ہے کہ "شرع کی ترویج، طریقۂ نقشبندیہ کی اشاعت، شریعت و طریقت کی تطبیق اور شیعیت کی مخالفت کے علاوہ حضرت مجددؒ نے جو اہم کام کیا وہ اسلام کا احیاء تھا۔ اُس زمانے میں جبکہ عام علماء و مشائخ نے ایک گوشے میں بیٹھ جانا ہی سلامتی کا راستہ سمجھ رکھا تھا، آپ نے جہانگیر کے سامنے سجدہ نہ کر کے قید و بند کی سختیاں جھیلیں۔ اور اپنی جرأت اور اتباعِ شرع سے مغلوں کے خلافِ شرع احکام کا سدِّ باب کیا۔ آپ کی اس نیک مثال نے لوگوں کو جرأت دلائی۔ جو دبے بیٹھے تھے وہ پھر دلیر ہو گئے۔ اور شرع کے احکام ایک دفعہ پھر ہندوستان میں عام ہونے لگے۔ (صفحہ ۲۴۵)"۔ محترم سے یہ عرض ہے کہ ہماری زبان میں انکی اوصاف کو مجددیتؔ اور قیومیتؔ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور یہ الفاظ و اصطلاحات صرف وابستگانِ سلسلۂ عالیہ تک محدود سمجھیں تو بھی کوئی ہرج نہیں۔ محترم نے یہ بھی اعتراف

لہ مولانا عبدالحی نے نزهة الخواطر (جلد پنجم) میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے ایک مکتوب کا اقتباس دیا ہے جو انھوں نے حافظ صدرالدین کو بھیجا تھا:۔ ہرگاہ این معرفت (توحیدِ وجودی) پختہ شد رفتہ رفتہ در فہمِ کلماتِ عارفانِ طریقہ مردمِ کج فہم راہِ الحاد پیمودند و ایں معرفتِ غامضہ را وسیلۂ ابطالِ شرائع و تکلیفات نمودند و مذہبِ شیخ محب اللہ الہ آبادی کہ ظاہرش در وادیِ الحاد می زند شیوع تمام و رواج مالا کلام یافت۔ عنایتِ خداوندی حضرت شیخ سرہندی را بر دے کار آورد و علومِ غریب بر الشان القا فرمود من قبیلِ تعدیل الحار بالبارد والرطب بالیابس تا ہیئتِ اعتدالیہ در اذہانِ مردم جا گیرد و باطل ممزوج بحق ارتفاع و امضا پذیرد و ہمین ست مصداقِ معنی مجددیت۔ الخ
لہ مکتوبات۔ دفتر سوم مکتوب ۷۹ بھی ملاحظہ فرمالیں۔ شاید بات صاف ہو جائے۔

کیا ہے کہ "آج بھی آپ کے سلسلے کا فیض جاری ہے۔ اور نقشبندیہ مجددیہ سلسلے کے لوگ اتباعِ شریعت اور ترویجِ سنّت میں باقی تمام سلسلوں سے آگے ہیں۔" الحمد للہ ایسا ہی ہے۔ اور اللہ پاک سے تعلق اور کائنات کا مقصد بھی کچھ یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ قرآنِ پاک میں ہے :- قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے یہ احسانات کم نہیں اور اس سے زیادہ کیا ہو سکتے ہیں:

بہر زمین کہ نسیمے ز زلفِ او بوزید ہنوز از سر آن بوئے عشق می آید

فاضل محترم کے اعتراضات اور پھر اعترافات (اور ناچیز راقم الحروف کے جوابات) کے بعد بدایونی کی باتیں صحیح معلوم ہونے لگتی ہیں۔ اور اُسے جو ایک "شمس العلماء" نے "ملّا" کہہ کر ہدفِ ملامت بنایا تھا اُس کی قلعی بھی کھل جاتی ہے۔ آئیے اب اس مُلّا کی باتیں بھی دیکھ لیں۔ جن کی تردید میں فاضل محترم کو بکثرت صفحات سیاہ کرنے کی زحمت اُٹھانی پڑی۔ اور راقم الحروف کو فاضل گرامی کے حوالوں ہی سے کچھ "حقیقتیں" پیش کرنی پڑیں۔ ملّا صاحب نے اپنی تاریخ[1] میں ۱۰۰۴ھ تک کے حالات درج کیے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اکبر "طالبِ حق" تھا۔ لیکن غلط قسم کے علماء اور صوفیہ سے واسطہ رہا، اس لیے اُسے اسلام سے ضد پیدا ہو گئی تھی۔ (صفحہ ۳۱۸)۔ گجرات کے صدر ابراہیم نے بادشاہ کو جو تحائف بھیجے تھے، اُن میں ابن العربی علیہ الرحمہ سے منسوب ایک جعلی عبارت بھی تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ "صاحبِ زمان" کے پاس بہت سی عورتیں ہوں گی اور وہ ڈاڑھی منڈا ہو گا۔ (صفحہ ۳۰۲)۔ کوئی خواجہ شیرازی تھے جو مکہ معظمہ سے ایک جعلی رسالہ "مہدی" کے

---

[1] تاریخ بدایونی مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۸۹ء۔ اسی کے صفحات کے حوالے آگے آئیں گے۔

ظہور کے متعلق لائے تھے۔ (ص ۳۴۴)۔ ملا مبارک ناگوری (پدرِ فیضی و ابوالفضل[۱]) اس سے پہلے ہی ایک محضر نامہ ۹۸۷ھ میں تیار کر چکے تھے، جس میں اکبر کو درجۂ اجتہاد پر فائز کیا گیا تھا۔ اور فیضی نے فارسی اشعار میں خطبۂ جمعہ تیار کیا تھا۔ لیکن اکبر اس خطبے کو پڑھتے ہوئے لرز گیا تھا۔ اور ممبر سے اتر پڑا تھا (ص ۳۳۵)۔ اکبر کو خلیفۃ الزماں قرار دیا تھا۔ نماز، روزہ اور شعائرِ اسلام کو "تقلیدات" اور عقل کے خلاف سمجھا گیا۔ (ص ۲۹۷) اور اس "عقل نے وہ جوہر دکھائے کہ ابوالفضل کی نگرانی میں محل کے اندر عبادت کے لیے ایک آتش خانہ تیار ہوا۔ (ص ۳۲۱)۔ نصاریٰ کی طرح ناقوس، صورِ تثلیث اور ان کی تفریحیں اکبر کا وظیفہ تھیں۔ (ص ۳۴۳)۔ راجاؤں کی لڑکیوں کو تصرف میں لانے کی وجہ سے خود اس کے مزاج پر اُن کو تصرف حاصل تھا۔ (ص ۳۴۲)۔ چنانچہ برہما، مہادیو، بشن، کشن، مہامائی وغیرہ کی تعظیم کی جاتی۔ (ص ۳۱۹)۔ سورج کی عبادت دن میں چار مرتبہ کی جاتی۔ سورج کے ایک ہزار ایک نام کی مالا جپی جاتی، قشقہ لگایا جاتا۔ آگ، پانی، درخت اور تمام مظاہرِ قدرت حتیٰ کہ گائے اور اس کے گوبر کی پوجا خود بادشاہ کرتا (ص ۳۵۳)۔ خنزیر کو (معاذ اللہ) خدا کے حلول کا مظہر جانتا۔ (ص ۳۴۳)۔ گائے کا گوشت حرام (ص ۳۴۲) اور خنزیر اور شیر کا گوشت مباح قرار دیا۔ (ص ۳۴۳)۔ سود، شراب اور جوا حلال سمجھا گیا (ص ۳۴۱) اور شراب فروشوں کی نسل سے ایک عورت کے زیرِ اہتمام ایک سرکاری شراب خانہ کھولا گیا۔ (ص ۳۴۲)۔ ڈاڑھی کی درگت بنائی گئی۔ (ص ۳۴۲) اور درباریوں نے بڑے اہتمام سے ڈاڑھیاں منڈوائیں (ص ۳۸۲)۔ غسلِ جنابت فضول سمجھا گیا۔ (ص ۳۴۳)

---

[۱]۔ فاضل محترم نے ایک جگہ لکھا ہے کہ جہانگیر نے مذہبی خیالات کی وجہ سے (صفحہ ۳۶۷) ابوالفضل کو قتل کرایا تھا۔ لیکن تزک میں ہے کہ وہ "لگائی بجھائی کیا کرتا تھا"۔

سولہ سال سے پہلے لڑکوں کا اور چودہ سال سے پہلے لڑکیوں کا نکاح ناجائز قرار دیا گیا۔ (صفحہ ۳۴۴) جوان عورتوں کو منھ کھول کر چلنے کا حکم دیا گیا۔ اور بدکاری کے اڈے قائم کیے گئے۔ (صفحہ ۳۴۱) ختنہ کرانے کی عمر بارہ سال کے بعد رکھی گئی۔ (صفحہ ۳۸) مردے کو پانی میں ڈالنے یا جلانے یا درخت سے باندھ دینے کا حکم جاری کیا گیا۔ (صفحہ ۳۸)۔ نیز قبلہ کی طرف مُردے کے پاؤں کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور بادشاہ بھی قبلہ کی طرف پاؤں کر کے سوتا تھا (صفحہ ۳۷)۔ خود کو سجدہ کراتا تھا۔ (صفحہ ۳۲)۔ اسلام کی ضد پر خنزیر اور کتے کے ناپاک ہونے کا مسئلہ منسوخ کیا گیا۔ اور شاہی محل کے نیچے یہ دونوں جانور زیارت کے لیے رکھے گئے۔ کہ ان کا دیکھنا بھی عبادت سمجھا گیا (صفحہ ۳۴۳)۔ تناسخ پر یقین کیا گیا۔ (صفحہ ۳۴)۔ عربی پڑھنا عیب سمجھا گیا۔ (صفحہ ۳۴۴)۔ ابوالفضل کے سامنے اگر ائمہ مجتہدین کا قول پیش کیا جاتا تو وہ کہتا کہ تم فلاں حلوائی — فلاں کفش دوز اور فلاں چرم ساز کا قول پیش کرتے ہو (صفحہ ۲۹۲) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور فدک یا صفین کے قضیے کے متعلق بات ہوتی تو ایسے سخت الفاظ کہے جاتے کہ بقول بدایونی: "گوش از استماع آن کر باد"۔ (صفحہ ۳۴۵)۔ قرآن کو مخلوق، وحی کو محال، معراج اور شق القمر کو غلط کہا گیا۔ (صفحہ ۳۴۹)۔ احمد، محمد، مصطفےٰ جیسے نام تبدیل کیے جانے لگے (صفحہ ۳۴۸) ہندو مزاج مسلمان اب حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر ہو گئے۔ اور عیسائی ملعونوں نے دجال کی صفات کو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر ڈھالنا شروع کیا۔ لیکن اکبر کی پیشانی پر بل بھی نہیں پڑا۔ (صفحہ ۳۲)۔ شاید تاریخِ مسلمانانِ عالم کا یہ سب سے بڑا سانحہ ہے۔ پھر ابوالفضل کا ایک بھائی جو اُس کا شاگرد تھا، عباداتِ اسلامی کے خلاف لکھنے پر بہت مقبول

اور متمتع ہوا۔ (ص ۳۴۴) بعض شاعروں کی طرح فیضی بھی کتوں کی زبان اپنے منھ میں لیتا اور اُن کے ساتھ کھانا کھاتا (ص ۳۴۳)۔ غرور اور تکبر اُس کے مزاج میں اتنا تھا کہ صحابۂ کرام اور سلفِ صالحین (رضی اللہ عنہم) پر طعن اور دین کی توہین کیا کرتا تھا۔ عین مستی اور جنابت کی حالت میں تفسیر سواطع الالہام لکھتا تھا۔ (ص ۵۱۵)۔ چنانچہ نزع کے وقت وہ کتّے کی طرح بھونکتا تھا۔ (ص ۵۱۵)۔ ان خباثتوں کی وجہ سے ۵-۶ سال میں اسلام کا نام ونشان باقی نہ رہا۔ (ص ۳۱۹)۔ اور ساری مسجدیں ہندوؤں کے فراش خانے اور چوکی خانے ہوگئے۔ (ص ۳۵۳)۔

ایسے حالات جیسا کہ ہم اوپر بحث کر چکے ہیں جہانگیر کے زمانے میں بھی پائے جاتے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے یہ طریقۂ اصلاح اختیار کیا کہ رفتہ رفتہ خانِ خانان، صدر جہاں، خانِ اعظم، خانِ جہاں، مہابت خاں، تربیت خاں، اسلام خاں، دریا خاں، سکندر خاں، مرتضیٰ خاں وغیرہ امرار کو اپنے حلقۂ عقیدت وارادت میں داخل کر کے بادشاہ کی توجہ دین کی طرف مبذول کرانے کی کوشش کی۔ بالآخر جہانگیر نہ صرف معتقد ہوا بلکہ اپنے بیٹے خرم (شاہجہاں) کو حضرت علیہ الرحمہ کے سلسلے میں وابستہ کرایا۔ سجدۂ تعظیمی موقوف ہوا۔ گائے کا ذبیحہ پھر شروع ہوا۔ جو مسجدیں منہدم کرادی گئی تھیں وہ دوبارہ تعمیر ہوئیں۔ اور جس قدر خلافِ شرع قوانین رائج کیے گئے تھے وہ سب منسوخ ہوئے۔ فنِ مصوّری جو عہدِ جہانگیری میں بامِ عروج کو پہنچا ہوا تھا وہ فنِ تعمیر اور فنِ خطاطی کی طرف منتقل ہوا۔ اور شجرۂ طیبہ کی "اصل ثابت" کی وجہ سے شاہجہاں کے علاوہ اورنگ زیب بھی حضرت علیہ الرحمہ کے خاندان[۱] کا مرید بنا۔

---

[۱] حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے حضرت محمد نقشبند ثانی علیہ الرحمہ کے مکتوبات دو حصوں میں راقم الحروف نے شایع کر دیے ہیں۔ ان میں متعدد مکتوبات اورنگ زیب کے نام ہیں۔

ہوا۔ اور اُس کے عہد میں فقہ کی سب سے بڑی کتاب فتاویٰ عالمگیری مرتب ہوئی۔ دربار میں علماء اور فضلاء کو جگہ ملی۔ اور حضرت علیہ الرحمہ کے شاگردانِ سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، حضرت مظہر جانِ جاناں، شاہ غلام علی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مولانا خالد رومی، صاحب فتاویٰ شامی، شاہ عبد الغنی مجدّدی (جن کے شاگرد مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، محمد مظہر سہارنپوری)۔ اور بانیانِ مدرسہ ہائے دیوبند و بریلی (علیہم الرحمۃ والغفران) وغیرہ پیدا ہوئے۔ پھر ان کے اسباط و اخلاف نے وہ خدمات انجام دیں کہ آج بھی کسی مسلمان حکمران طبقے کی یہ مجال نہیں کہ وہ عہد اکبری کے فتنوں کو دوبارہ رائج کر سکے۔ ہندوستان اور پاکستان کے مسلمانوں کی دینی حالت (اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود) دوسرے بلادِ اسلامیہ کے مسلمانوں کے مقابلے میں جو کچھ غنیمت نظر آتی ہے وہ بھی اسی فیض کی غمازی کرتی ہے۔ پھر دین سے متعلق جتنے مسائل ۱۰۰۰ھ سے آج تک کھڑے ہوئے ہیں اور آیندہ بھی دوسرے ہزارہ کے اختتام تک (اگر دنیا قائم رہی) کھڑے ہوں گے، ان سب کا حل صراحتہً یا کنایتہً مکتوبات شریف میں موجود ہے۔ اس سے بڑھ کر آپ کے مجدّد الفِ ثانی ہونے کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟ پھر جس طرح آپ نے شریعتِ مطہرہ کی خدمت کی اسی طرح آپ نے طریقتِ مبارکہ کی بھی خدمت کی۔ اور آپ نے وہ طریقۂ شریفہ بدرجۂ اتم رائج کیا جو عہدِ نبوی (علیٰ صاحبہا الوف الف تحیۃ) رائج تھا۔ جس کی شہادت مکتوبات سے ہوتی ہے۔

اکبر ۹۹۳ھ سے ۱۰۰۶ھ تک لاہور میں رہا۔ اور اس سے پہلے وہ ۱۵ سال آگرہ میں تھا۔ حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ (۹۷۱ھ۔ ۱۰۳۴ھ) قریب ۲۰۔۲۲ سال کی

عمر میں آگرہ تشریف لے گئے تھے۔ وہیں فیضی اپنی بے نقط تفسیر سواطع الالہام کی تیاری میں مصروف تھا۔ اس لیے حضرت علیہ الرحمہ نے برجستہ ایک بے نقط عبارت[۱] رقم فرمائی تھی۔ وہ تفسیر نظر ثانی کے بعد (بدایونی ص ۳۸۹) سنہ ۱۰۰۲ھ میں مکمل ہوئی۔ ابوالفضل اور فیضی، بلکہ اُن کے باپ مُلّا مبارک کی وجہ سے دین اور پھر "نبوت" پر اعتراضات سنہ ۹۸۶ھ سے (بدایونی صفحہ ۳۲۵) شروع ہو چکے تھے۔ اور "بے دین مصنفین نے اپنی تصانیف سے نعت خارج کر دی تھی۔" انھی ایام میں ابوالفضل نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی موجودگی میں حضرت امام غزالیؒ کو نامعقول کہا تھا۔[۲] اور آپ بے تاب ہو گئے تھے۔ علمائے حق کا انخلا ریا قتل سنہ ۹۹۰ھ سے شروع ہو گیا تھا۔ (بدایونی۔ ۳۲۹۔ ۱۴۳۔ ۳۶۱)۔ انھی "فتنہائے امت" (= ۹۸۷ھ) کا ذکر حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے رسالے اثبات النبوۃ[۳] کے ابتدائی ۲-۳ صفحات میں آتا ہے۔ اور ابوالفضل سے نبوت کے سلسلے میں بحث کی وجہ سے اس کا ذکر بار بار اس رسالے میں ہے۔ اس میں ایک مقدمہ ہے جس میں ایک بحث نبوت کے معنی کی تحقیق میں ہے، اور دوسری بحث معجزہ پر ہے۔ پھر پہلا مقالہ شروع ہوتا ہے جس میں بعثت اور نبوت کی حقیقت اور اہمیت بیان کی گئی ہے۔ پھر خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات پر بحث ہے۔ اور اس طرح کم و بیش چار جزو پورے ہو جاتے ہیں۔

---

[۱] زبدۃ المقامات از مولانا ہاشم کشمیؒ، مطبوعہ لکھنؤ سنہ ۱۳۰۲ھ۔ صفحہ ۱۳۲

[۲] ایضاً صفحہ ۱۳۱-۱۳۲۔

[۳] ہو سکتا ہے کہ جس طرح حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے مکتوبات شریف کے مختلف دفتر کے نام تاریخی تھے۔ اسی طرح اثبات النبوۃ (= سنہ ۹۹۸ھ) کا نام بھی تاریخی ہو۔ بہر حال یہ رسالہ طبع ہو گیا ہے :- اعلیٰ کتب خانہ۔ ناظم آباد۔ کراچی۔

دوسرا مقالہ جو فلاسفہ کی مذمت میں رہا ہوگا، وہ دستیاب نہیں۔ کنڈیان شریف، ٹنڈو سائیں داد (سندھ)، رباطِ مظہریہ (مدینہ منوّرہ)۔ اور مولانا محمد صادق کابلی (مدینہ منوّرہ) کے نسخوں میں یہ دوسرا مقالہ موجود نہیں۔ بہرحال جتنا حصّہ میسّر ہے وہ عربی میں ہے۔ اور امام غزالیؒ کی المنقذ من الضلال سے بھی ماخوذ ہے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ علم کلام کے یہ اصول خاصے قدیم ہیں۔ تاہم فن کے لحاظ سے اور جگہ جگہ ابو الفضل سے بحث کی وجہ سے اس کی تاریخی حیثیت بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

یہاں ہم چند صفحات کا اُردو ترجمہ پیش کرتے ہیں:-

بعد حمد و صلوٰة کے، اللہ جو ولی اور مددگار رہے، اس کی رحمت کا محتاج احمد بن عبد الأحد بن زین العابدین (اللہ سبحانہٗ انھیں نامناسب اور عیب دار کرنے والے امور سے محفوظ رکھے) کہتا ہے کہ جب میں نے اس زمانے میں لوگوں کے اعتقاد میں اصل نبوت کے متعلق فتور دیکھا، پھر ایک شخص معین کی نبوت کے ثبوت اور تحقیق میں اور نبوت کے مشروع کردہ امور میں (فتور دیکھا) اور لوگوں میں اس کا شایع ہونا متحقق ہوگیا۔ یہاں تک کہ شرایع کی پیروی اور رسولوں پر یقین میں پختہ ہونے کی وجہ سے ہمارے زمانے کے بعض جابروں نے بہت سے علماء کو مختلف سختیاں اور ایذائیں پہنچائیں جن کا ذکر مناسب نہیں۔ بہت سے علمائے اہلِ اسلام قتل کردیے گئے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس مجلس میں خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰة والسلام کے نام کی تصریح ترک کردی گئی۔ اور جن کا یہ اسم شریف رکھا گیا تھا اُس کے نام کو بدل کر دوسرا نام رکھا گیا۔ گائے کا ذبح کرنا ممنوع قرار دیا گیا۔ حالانکہ یہ ہندوستان میں بڑے شعائرِ اسلام میں سے ہے۔ مساجد اور مسلمانوں کے مقابر ویران کردیے گئے۔

کفار کی عبادت گاہوں اور اُن کے رسوم و عبادات کے دنوں کی تعظیم کی گئی۔

مختصر یہ کہ اسلام کے شعائر اور اُس کی علامتیں باطل قرار دی گئیں۔ اور کفار کے رسوم اور اُن کے ادیانِ باطلہ رائج کیے گئے۔ حتیٰ کہ کفارِ ہند کے احکام ظاہر کیے گئے اور اسے اُن کی زبان سے فارسی زبان کی طرف منتقل کیا گیا۔ تاکہ اسلام کے سارے آثار مٹا دیں۔ اور میں نے جان لیا کہ شک اور انکار کا مرض وسیع ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ علاج کرنے والے بھی مرض میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اور مخلوق ہلاکت کے قریب ہو گئی ہے۔ نیز میں نے لوگوں کے افراد کے عقیدے کی تلاش کی اور ان سے ان کے شبہات دریافت کیے اور اُن کے رازہائے درون اور عقائد کی کرید کی تو ان کے فتورِ اعتقاد اور ضعفِ ایمان کا کوئی سبب، عہدِ نبوت کی دُوری، علمِ فلسفہ کی مشغولیت اور حکمائے ہند کی کتابوں کے سوا نہ پایا۔ اور میں نے بعض لوگوں سے مناظرہ کیا جنھوں نے علمِ فلسفہ پڑھا تھا۔ اور کافروں کی کتابوں سے بہرہ یاب ہو کر فضل و فضیلت کے مدعی ہو گئے تھے، اور لوگوں کو گمراہ کیا۔ اور اصل نبوت کے تحقق اور ایک خاص شخص کے لیے اس کے ثبوت میں خود بھی گمراہ ہوئے اور یہاں تک کہنے لگے کہ نبوت کا حاصل حکمت اور مصلحت ہے۔ خلق کے ظاہری حالات کی اصلاح ہے۔ اور عوام کو شہوات میں آزادروی، باہمی نزاع اور اختلاف سے محفوظ رکھنا ہے۔ اور اس کو نجاتِ اُخرویہ سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس کا تعلق صرف تہذیب اخلاق اور قلبی اعمال کے ان فضائل کی تحصیل سے ہے جنھیں حکماء نے اپنی کتابوں میں بیان کیا۔ اور اس کو کما حقہٗ بیان کیا ہے۔ پھر اپنے قول کی تائید میں یہ بات پیش کی کہ امام غزالی نے اپنی کتاب احیاء العلوم کو چار چار حصّوں میں تقسیم کیا۔ اور منجیات کی

چوتھائی کو عبادات کی چوتھائی کا قسیم بنایا۔ مثلاً نماز روزہ وغیرہ جو کہ فقہ کی کتابوں میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس لیے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ حکماء کے موافق ہے۔

اور یہ کہ عبادات بدنیہ ان کے نزدیک نجات دلانے والے نہیں ہیں۔ جس طرح کہ حکماء کے نزدیک نجات دلانے والے نہیں ہیں۔ پھر کہا کہ جس شخص کو نبی کی دعوت پہنچی لیکن اُس کے نزدیک بُعدِ عہد، اور اُن کے آیات و معجزات کے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے نبی کی نبوت ثابت نہ ہو تو اس کا حکم ان کے نزدیک پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والے کا ہے جس کو دعوت نہ پہنچی ہو۔ اور فرق ان دونوں کے درمیان حکم کا ہے۔

تو میں کہتا ہوں کہ حکمتِ ازلیہ اور عنایتِ الٰہیہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی مقتضی ہے تاکہ نفوسِ بشریہ کی تکمیل اور قلبی امراض کا علاج کریں۔ اور یہ اس کے بغیر میسّر نہیں ہو سکتا کہ وہ نافرمانوں کو ڈرانے والے اور فرمانبرداروں کو خوش خبری سنانے والے ہوں، اور اُخروی عذاب و ثواب کی خبر دینے والے ہوں۔ اس لیے کہ ہر شخص پر مرغوبات کی طرف شوق کا غلبہ اور تسلّط ہوتا ہے۔ پس وہ معاصی اور رذائل اعمال کی طرف پیش قدمی کرتا ہے۔ اور اُن کی تکمیل دارین میں نجات و سعادت کا سبب ہوتی ہے۔ بلکہ نجاتِ اُخروی اور سعادتِ ابدی ہی بعثت سے مطلوب ہے۔ اس لیے کہ دنیا کی پونجی کم ہے۔ لیکن جہاں تک حکماء کا تعلق ہے انھوں نے جب اپنے باطل امور کو رائج کرنا چاہا تو اس کے ساتھ ان چیزوں کی آمیزش کر دی جو کہ انھوں نے انبیاء پر نازل شدہ کتابوں سے اور ان کے اقوال اور اُن کے کامل متبعین کے اقوال سے چرائی تھیں۔ یعنی تہذیبِ اخلاق

کا بیان، اور ان اعمال صالحہ کی تحصیل جو کہ باطن سے متعلق ہیں۔ اور ان لوگوں نے اس کو ایک مستقل علم کی صورت میں تدوین کیا۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔ اور امام محقق حجۃ الاسلام نے تو اس کو صرف عبادات کا قسیم بنایا ہے اس لیے کہ فقہا نے اس کو کتب فقہ میں صرف تبعاً اور ضمنی طور پر بیان کیا ہے۔ اور جیسا کہ بیان کرنا چاہیے تھا ویسا بیان نہیں کیا۔ اس لیے کہ اُن کی اصلی غرض ظاہر اعمال سے متعلق ہے اور یہ لوگ ظاہر پر حکم لگاتے ہیں۔ یہ لوگ قلوب اور باطن کو چیر کر نہیں دیکھتے۔ بلکہ اس کو علمائے طریقت اور سلوک نے بیان کیا ہے۔ اس لیے امام غزالی رحمۃ نے اس شریعت کو جو ظاہر سے متعلق ہے اور طریقت کو جو باطن سے متعلق ہے جمع کر دیا۔ اور اپنی کتاب کو متعلق اور مقصد کے اعتبار سے تقسیم کیا۔ اور اس قسم کا نام منجیّ ہی رکھا۔ گو عبادات میں بھی انھوں نے ذکر کیا کہ یہ بھی منجیّ (نجات دلانے والے) ہیں۔ اس لیے کہ عبادات کی ادائگی سے نجات کا ہونا فقہ سے معلوم ہوا۔ اور اس دوسری قسم کی نجات اس سے معلوم نہیں ہوتی۔ پس غور کرو۔ اور اگر اب بھی تمھیں شک باقی ہو تو اُن کے اس کلام میں غور کرو، جو میں نے اس رسالے میں بیان کیے ہیں۔ تاکہ تمھیں اس شبہ سے بالکل نجات مل جائے۔ نیز میں کہتا ہوں کہ تم نے جالینوس اور سیبویہ کو نہیں دیکھا۔ پھر کس طرح تم نے جانا کہ جالینوس طبیب تھا اور سیبویہ نحوی تھا۔ اگر تم یہ جواب دو کہ میں نے علمِ طب کی حقیقت معلوم کی اور میں نے اس کی کتابوں اور تصانیف کا مطالعہ کیا۔ اور اس کے اقوال سنے، تو دیکھا کہ وہ امراض کے علاج اور بیماریوں کے ازالہ کی خبر دیتے ہیں۔ اس سے مجھے اس کی حالت کا علم ضروری حاصل ہوا۔ اسی طرح میں نے نحو کا علم حاصل کیا۔ اور سیبویہ کی کتابیں دیکھیں۔

اُس کے اقوال سنے تو اس سے مجھے علمِ ضروری حاصل ہوا کہ وہ نحوی ہے۔ اسی طرح میں کہوں گا کہ جب تم نے نبوت کے معنی جان لیے تو قرآن اور احادیث میں بہت زیادہ غور کرو۔ اس سے تمھیں اس کا علمِ ضروری حاصل ہو جائے گا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نبوت کے اعلیٰ درجات پر فائز تھے۔ اور زمانہ کی دوری اس تصدیق میں مخل نہیں ہے، جس طرح سابق تصدیق میں مخل نہیں ہے۔ اس لیے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تمام اقوال و افعال، اعمالِ صالحہ و عقائدِ حقّہ کے ذریعے قوتِ علمیہ و عملیہ میں نفوسِ بشریہ کی تکمیل کی خبر دیتے ہیں۔ اور بیمار دلوں کے علاج اور اس کی تاریکیوں کے ازالہ کی خبر دیتے ہیں۔ اور نبوت کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں۔ باقی رہا پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والا جس کو نبی کی دعوت نہ پہنچی ہو اور نہ اُن کے اقوال سنے ہوں اور نہ اُن کے حالات معلوم ہوں تو اس کے لیے ان کی نبوت کی تصدیق ممکن نہیں۔ اور نہ اس کے لیے یہ آسان ہے کہ اُن کے بھیجے جانے کا اُسے علم ہو۔ گویا نبی اُس کے حق میں مبعوث نہیں کیے گئے، اس لیے وہ معذور اور ان پر ایمان لانے کا وہ مکلف نہ ہوگا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ "ہم عذاب کرنے والے نہیں، یہاں تک کہ ہم رسول نہ بھیجیں"۔ جب میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی اور میرے سینے میں جم گئی کہ میں اُن کے لیے ایسی تقریر کروں جو اُن کے شکوک دور کر دے اور اُن کے لیے ایسی بات لکھوں جو اُن کے شبہ کو زائل کر دے۔

جب میں نے دیکھا کہ یہ میری ذات پر ایک حق واجب ہے اور ایک لازمی فرض ہے جو بغیر ادائگی کے ساقط نہیں ہوتا، تو میں نے ایک رسالہ کی تالیف کی۔ اور ایک مقالہ لکھا اصلِ نبوت کا مطلب ثابت کرنے میں۔ پھر خاتم الرسل (علیہ

من الصلوٰۃ افضلہا و من التحیات اکملہا) کے حق میں اس کے ثبوت اور تحقیق کے بیان میں۔ اور منکرین اور اس کی نفی کرنے والوں کے شبہ کے ردّ میں اور فلسفہ کی مذمت اور ان کے علوم کی ممارست اور اُن کی کتابوں کے مطالعہ سے جو ضرر حاصل ہوتا ہے اس کے بیان میں ایک مقالہ دلائل و براہین کے ساتھ لکھا جو میں نے قوم کی کتابوں سے اخذ کیے اور اس پر اضافہ اور الحاق کیا، جو میرے درماندہ دل پر ظاہر ہوا، اللہ ملک جلیل کی مدد سے۔ مزید بحث اصل رسالے میں ملاحظہ فرمائیں۔

مکتوب دربیانِ "قیومیت" از حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی مد ظلہٗ (درگاہ شاہ ابوالخیرؒ۔ چتلی قبر۔ دہلی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محترمی ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب۔ وفقنی اللہ وایاہ لما یحبہٗ ویرضاہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، آپ کا کارڈ ہم دسمبر کا آٹھ کو ملا فالحمد للہ علی الصحۃ۔ آپ نے اس عاجز سے مرتبۂ قیومیت کے بیان کے سلسلہ میں کچھ مضمون طلب کیا ہے۔ یہ آپ کا حسن ظن ہے۔ اگر آپ اس مبارک موضوع پر کچھ تفصیل سے لکھیں تو بہتر ہو۔ مختصر طور پر جو اس عاجز کی سمجھ میں آیا ہے لکھتا ہے وفقہ اللہ للصواب۔

حضرت امام ربانی مجدد و منوّر الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدسنا اللہ بسرہ الاقدس کے علوم رتبہ اور آپ کے کلام قدسی نظام کو سمجھنے کے لیے کافی علم و دانش کی ضرورت ہے۔ جس شخص کا عمل عزیمت پر ہو، جو سنتِ مطہرہ کا دلدادہ ہو۔ جو دینِ مبین کا عاشق و شیدا ہو، جو بڑے سے بڑے ولی کے درجہ کو ادنیٰ صحابی کے خاکِ پا سے کمتر سمجھتا ہو۔ جس کی صحبت میں اکابر علما ہر وقت رہتے ہوں، جس کے

انفاسِ قدسیہ سے ہزارہا بندگانِ خدا اعلیٰ مدارج قرب پر فائز ہوئے ہوں۔ کیا ایسے شخص کے متعلق کوئی خیال کرسکتا ہے کہ العیاذُ باللہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مرتبہ سے اپنے کو بالاتر سمجھتا ہے۔ ترجمۂ حضرات القدس کے صفحہ ۶۲ پر لکھا ہے "حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو کہ جمیع کمالات و فضائل سے متصف تھے اور خلفا پر فضیلت نہیں دیتا ہوں تو پھر اپنے آپ کو ان پر کیونکر فضیلت دے سکتا ہوں۔ معرفتِ حق اس شخص پر حرام ہے جو اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بہتر جانتا ہو۔ تو اکابرِ دین سے کیا نسبت ہوسکتی ہے۔" افسوس صد افسوس ایسی نادرۃ المثال اور برگزیدہ ہستی کے متعلق بعض افراد غلط فہمی میں پڑ گئے ہیں۔ اگر یہ لوگ ذرا بھی سنجیدگی اور انصاف سے کام لیں تو اُن پر روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ قرونِ اولیٰ مشہود لہا بالخیر والسعادہ کے بعد شاید ہی اولیائے امت میں کوئی آپ جیسا عالی مرتبت والامنزلت پیدا ہوا ہو۔ تصوف اور طریقت کے متعلق جو غلط خیالات جاہل متصوفہ نے پیدا کردیے تھے آپ نے ان سب کو حرفِ غلط کی طرح یہ فرما کر مٹا کر رکھ دیا، کہ طریقت اور حقیقت شریعت کے خادم ہیں۔ اور کھلے الفاظ میں فرما دیا کہ "ہم کو فص سے کیا سروکار ہم کو تو نص درکار ہے۔ ہم کو فتوحاتِ مدنیہ نے فتوحاتِ مکیہ سے بے نیاز کر دیا ہے۔" چلہ کشی اور ریاضتوں کے سلسلہ میں مسنون طریقوں سے جو بُعد اور دُوری پیدا ہوتی جارہی تھی اس کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا کہ "ہیچ ریاضت و مجاہدہ برابر رعایت آداب نماز نیست۔" جو لوگ اسرارِ شریعت اور دقائقِ علوم دینیہ سے واقف نہیں ہیں اُن سے بحث نہیں ہے، بحث اُن افراد سے ہے جو زمرۂ علماء میں داخل ہیں۔ اور وہ بعض اسباب کی بنا پر آپ کے ارشاد

سراسر حق و سداد پر ردّ و قدح کرتے ہیں۔ چونکہ اَلْحَقُّ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی عَلَیْہِ ایک امر مسلم ہے۔ لہٰذا اجلّہٗ علمائے کرام نے ان اعتراضات کا بہ وجہ اتم رد کیا ہے۔ منجملہ ان کے حضرت فرخ شاہ، حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت قاضی ثناء اللہ رحمہم اللہ ہیں۔ بلکہ بعض افراد نے خود اپنی غلط فہمی اور کوتاہ نظری کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ نے اواخر احوال میں تحریر فرمایا ہے: "کہ اصلا پردہ بشریت و غشاوہ درمیان نہ ماندہ"۔ اور پھر آپ کی تعریف کی ہے۔ اور اپنی سابقہ آراء سے رجوع کیا ہے۔ جناب شیخ رحمۃ اللہ کے ان الفاظ پر جو تحریر کیے گئے ہیں حضرت شاہ غلام علی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں۔ "ازین قول معلوم می شود کہ اعتراضات سابقہ از بشریت و نفسانیت بود نہ از حقیقت۔ این احوال علماء است۔ وائے برین صرفہ گویاں"۔ حضرت نے "وائے برین صرفہ گویاں" لکھ کر کس انداز سے اظہار تاسف فرمایا ہے۔ حقیقت یہ ہے ع

گر منگ ازیں حدیث بنالد عجب مدار

بے شک آپ نے اِمْتِثَالًا لِاَمْرِ اللّٰہِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی۔ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ وَاِظْهَارًا لِشُكْرِهٖ عَمَّ اِحْسَانِهٖ لِقَوْلِهٖ جَلَّ وَعَزَّ۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ۔ اُن بعض احسانات اور انعامات کا ذکر فرمایا ہے، جو پروردگار جل شانہٗ نے آپ پر کیے ہیں۔ مثلاً خلّت کا مقام آپ کو عنایت ہوا، اور قیومیت کا درجہ آپ کو عطا ہوا۔

قیومیت کا درجہ کیا ہے، اور اس مقام پر کس شان کا برگزیدہ بندہ اللہ کے فضل و کرم سے فائز ہوتا ہے؟ اس کے متعلق کتاب برکات الاحمدیہ الباقیہ

معروف بہ زبدۃ المقامات کی عبارت قلمی نسخہ کے صفحہ ۳۳۵ و ۳۳۴ سے نقل کی جاتی ہے۔ اس نسخہ کو حضرت سیدی الوالد قبلۃ الاماثل والاماجد حضرت شاہ محی الدین عبد اللہ ابو الخیر فاروقی مجددی قدس اللہ سرہ الاقدس نے سنہ ۱۳۰۰ھ میں لکھوایا ہے۔ اور پھر اپنے دستِ مبارک سے تصحیح فرمائی ہے۔ لکھا ہے:۔

"باید دانست کہ قیوم درین عالم خلیفۂ حق است جل و علیٰ و نائب مناب او اقطاب و ابدال در دائرۂ ظلالِ او مندرج اند و افراد و اوتاد در محیط کمالِ او مندرج۔ افرادِ عالم ہمہ بہ وے روے دارند و قبلۂ توجہِ جہانیان اوست، دانند یا نہ دانند۔ بلکہ قیامِ عالمیان بہ ذاتِ اوست چہ افرادِ عالم چونکہ مظاہرِ اسماء و صفات اند ذاتے درمیان شان کائن نیست۔ ہمگی اعراض و اوصاف اند و اعراض و اوصاف را از ذات و جوہر چارہ نیست تا قیامِ شان بہ آن بود۔ سنۃ اللہ جاری است کہ بعد از قرونِ متطاولہ عارفے را نصیبے از ذات ارزانی داشتہ۔ وے را ذاتے عطا می فرمایند کہ بحکمِ نیابت و خلافت قیومِ اشیاء می گردد۔ و اشیاء بوے قائم می باشند۔ الخ"

قیوم کے متعلق یہ بیان حضرت خواجہ محمد معصوم قدس اللہ سرہُ العزیز کا تحریر کردہ ہے۔ اور وہ حضرت امامِ ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوب شریف ۸۰ (دفتر سوم) کا خلاصہ سمجھنا چاہیے۔ جس کو آپ کے زمانہ سے اب تک ہزارہا جلیل القدر علماء دیکھ چکے ہیں۔ ان کے لیے سرِ القیاد خم کرنے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ اس عبارت کے پڑھنے سے چند حقائق کا اظہار ہوتا ہے

(۱) اس عالم میں پروردگار جل شانہٗ کا خلیفہ اور نائب قیوم ہے....

(۲) عالم کے تمام افراد اسماء و صفات کے مظاہر اور ظلال ہیں۔ اسماء و صفات کا قیام ذات سے ہوتا ہے۔ ان افراد کے لیے جو اسماء و صفات کے مظاہر اور ظلال الٰہی ہیں ایک ایسی مبارک ہستی اور وجود کی ضرورت ہے جو تجلیات ذاتیہ سے

لہ جس مبارک موطن میں تجلیات اسماء و صفات الٰہیہ جلوہ فرما ہوں وہاں ظل (سایہ) کا کیا کام۔ وہاں تو نورٌ علیٰ نور کا کارخانہ ہے۔ بات یہ ہے ع "داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار" وہ عالم بے مثال اور یہ عالم مثال۔ وہاں کے اسرار کا بیان کن الفاظ سے کیا جائے۔ اور پھر جبکہ الفاظ محدود ہوں اور معانی قید حصر سے بالا۔ الٰہی و مولائی لا اُحصی ثناءً علیک کما اثنیت علیٰ نفسک۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے مکتوب ۲۸۷ میں فرمایا ہے۔ "ظل شے عبارت از ظہور شے ست اگرچہ بہ شبہ و مثالے باشد در مرتبۂ دوم"۔ اور مکتوب ۲۳۱ میں تحریر کیا ہے۔ "اے عزیز مبادی تعینات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کلیات اسماء ست۔ و مبادی تعینات اولیاء جزئیات آن اسماء کہ در تحت آن کلیات مندرج ست۔ و مراد از جزئیات آن اسماء ہماں اسماء ست کہ بہ قیدے از قیود ماخوذ گشتہ ست کالارادۃ المطلقۃ والارادۃ المقیدۃ بشیءٍ۔"

اس سلسلہ میں حضرت قاضی ثناء اللہ قدس سرہٗ نے رسالہ ارشاد الطالبین میں کلام جمیل تحریر فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ یوں سمجھیے کہ جب لطافت کی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ظل نہیں تو پھر خدائے محمدؐ کا ظل کیسے ہو سکتا ہے۔ یہاں اس لفظ کا استعمال اس معنی میں نہیں ہے جو عند العوام مشہور ہے، بلکہ یہاں ظل سے مراد وہ لطائف مبارکہ از مخلوق الٰہی ہیں جن کو اسماء اور (باقی صفحہ ۷۷ پر)

بہرہ مند ہو۔ تاکہ ان کا قیام اس سے ہو۔ (۳) ایسی برگزیدہ ہستی کا وجود کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بلکہ از روزِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً۔ ایسا فردِ کامل ہوتا چلا آیا ہے اور سنت اللہ یہی ہے۔ (۴) جو بھی اس مبارک مقام پر فائز ہوتا ہے وہ قبلۂ عالمیان اور سردار اقطاب وافراد وابدال واوتاد ہوتا ہے۔

اب خیال کرنا چاہیے کہ اس عبارت میں کون سی بات قواعدِ شرعیہ کے خلاف ہے۔ خلیفۂ اجل واکمل واعلیٰ وافضل سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات جامع صفات ہے، جو کہ سید الانبیاء والمرسلین ہیں۔ اور نبوت آپ کو اس وقت سے بھی پیشتر ملی تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا نہ بنا تھا۔ جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ جب تک آپ کا ظہور نہ ہوا آپ کی نیابت انبیاءِ کرام علیہم السلام کرتے رہے۔ لیکن آپ کے بعد یہ منصب آپ کی امت کے جلیل القدر افراد کے سپرد ہوا۔ یہ مقام اور یہ رتبہ از روزِ اول موجود ہے۔ اور اس کے شایانِ شان

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۷۶) صفاتِ الٰہیہ سے پوری مناسبت ہے۔ اور وہ اس مناسبت کی وجہ سے اُس فیض کا واسطہ ہیں جو اسماء وصفاتِ الٰہیہ سے عالمیان کو پہنچتا ہے۔ اس لطائف مبارکہ کو مسامحۃً ظل کہہ دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سالک راہ طریقت سکر ومدہوشی کے وقت اِن لطائف مبارکہ کو ذی ظل ظل سمجھ لے۔۔۔ اور اسی مناسبت سے ان کو ظل کہہ دیا گیا ہے۔۔ الخ۔

افراد بھی ہوتے چلے آئے ہیں۔ یہی اللہ کا طریقہ رہا ہے۔ غایت ما فی الباب اس نام سے یہ رتبہ ظاہر نہیں ہوا تھا۔ جب تک وظیفۂ خلافت حضراتِ انبیاءؑ علیہم السلام سے متعلق رہا۔ اظہار کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ نبوت کا مقام ان تمام مراتبِ عالیہ کو لیے ہوئے ہے۔ ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہوئی۔ بطور ضرورت پیدا ہوئی کہ مراتبِ عالیہ کا علیحدہ علیحدہ ظہور ہو۔* اور قیومیت کا ظہور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس اللہ سرہ السامی کی مبارک ذات سے ہوا۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

عربی زبان موجود تھی، لیکن اس کی تدوین کا شرف ائمۂ لغت کو ملا۔ نحو وصرف کا وجود تھا لیکن ایک فن کی شکل میں خلیل، سیبویہ، کسائی، اخفش وغیرہم نے اس کو ظاہر کیا۔ علم کلام کا ظہور شیخ ابوالحسن اشعری، شیخ ابو منصور ماتریدی وغیرہما سے ہوا۔ علم فقہ کا ظہور امام اعظم، امام شافعی وغیرہما سے ہوا۔ آدابِ طریقت کا بیان اور طرقِ موصلہ الی اللہ کا اظہار اور اولیاء اللہ کے مراتب غوثیت، قطبیت، فردیت وغیرہ کی نشاندہی حضرت جنید بغدادی، حضرت ذوالنون مصری حضرت عبدالقادر جیلانی، حضرت شہاب الدین سہروردی، حضرت معین الدین سنجری اجمیری، حضرت شیخ احمد بدوی، حضرت نجم الدین کبریٰ، حضرت محمد بہاء الدین نقشبند بخاری، وامثالہم قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم وافاض علینا من برکاتہم ومعارفہم سے ہوا۔ یہ تمام علوم اور معارفِ عالیہ جنابِ رسولِ خدا

صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم ومعارف کا ظہور ہے۔ آپ کا ارشاد ہے۔ اوتیت علم الاوّلین والاٰخرین۔ قیومیت کے اظہار کے لیے ایسے فردِ کامل کی ضرورت تھی کہ علمِ ظاہر و باطن میں درجۂ کمال کو پہنچا ہوا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں اپنا نظیر نہ رکھتا ہو۔ صاحب صحو اور ہوش ہو۔ خداوندِ عزم اور قوی العمل ہو۔ اِن صفاتِ جلیلہ سے پروردگار نے حضرت امامِ ربانی کو پوری طرح متصف فرمایا تھا۔ لہٰذا اس کام کے لیے ع

قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

آپ ہی سزاوار ہوئے۔

آپ کے علمِ ظاہر و باطن کا کمال کسی پر مخفی نہیں ہے۔ جس کو کچھ تردّد ہو مکتوباتِ شریفہ کو اُٹھا کر دیکھ لے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور پیروی کا یہ عاجز کیا بیان کرے۔ برکات الاحمدیۃ الباقیہ معروف بہ زبدۃ المقامات اور حضرات القدس کا مطالعہ اگر کیا جائے اور مکاتیبِ قدسی آیات کو بدقّت مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ آپ ہر کام میں اور ہر فعل میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع فرماتے تھے۔ آپ نے فرمایا ہے۔ "عمل و کارِ ماچہ باشد۔ وہرچہ بما عطا کردہ اند محض فضل و صرف کرم می دانیم۔ امّا اگر مثلاً امرے بہانۂ کرم باشد آں متابعت سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم خواہد بود کہ مدارِ کارِ خود را بداں می دانیم۔ ہرچہ بما دادہ اند از راہِ ایں اتباع دادہ اند۔ جزئیاً اور کلیاً۔ وہرچہ ندادہ اند ازاں ندادہ اندکہ از ما در اتباع اتم نقصانے

بہ حکم بشریت رفتہ باشد ص۳۰۳ قلمی نسخہ" آپ ہی کے اتباعِ سنت کا کرشمہ ہے کہ خالص تصوف اسلامی نبوی کا ظہور بہ وجہ اتم ہوا۔ جس کا بیان بعد میں آئے گا۔

جب سے آپ بتوجہات پیر و مرشد کامل و بعنایات ذوالجلال والاکرام مرتبۂ کمال کو پہنچے، آپ کی زبانِ مبارک یا نوکِ قلم پر ایک لفظ بھی ایسا نہیں آیا جو سُکر کا ثمرہ ہو۔ اور یہ کہا جا سکے کہ یہ صحو کے منافی ہے۔ آپ کے پورے احوالِ مبارکہ، ملفوظاتِ شریفہ، تحریراتِ بدیعہ سب کے سامنے ہیں۔ اور اس مدعا پر شاہدِ عدل ہیں۔ آپ ہر کام میں ہر فعل میں جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور پیروی کی کوشش کرتے تھے۔ پروردگار جل شانہٗ وعم احسانہٗ نے اپنے فضل وکرم سے آپ کو صحو محمدی علیٰ صاحبہ اَلفُ اَلفِ صَلٰوۃٍ وَّتَحِیَّۃٍ سے سرفراز کیا۔ فطوبیٰ لَہٗ ثُمَّ طُوبیٰ لَہٗ قَدَّسَ اللّٰہُ رُوحَہٗ۔

آپ کے عزمِ کامل اور قوی العمل ہونے کے متعلق نہ صرف آپ کے مخلصین اور متبعین کے اقوال کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ آپ کے پیر و مرشد قدس سرہٗ کا مکتوب شریف موجود ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔ "شیخ احمد نام مرد یست در سرہند کثیر العلم وقوی العمل، روزے چند فقیر با و نشست و برخاست کردہ عجائب بسیار از روزگار و اوقاتِ او مشاہدہ کردہ بہ آن می نماید کہ چراغے شود کہ عالمہا از و روشن گردند۔ بحمد اللہ تعالیٰ احوالِ کاملہ او مرا بہ یقین پیوستہ الخ۔ (رقعہ ص۶۵) حضرت نے جب آپ کے عزم اور کمالات کو ذروۃ الکمال پر پایا تو مریدوں کو آپ کے حوالہ کر دیا۔ اس سلسلہ میں حضرت کا رقعۂ شریفہ ص۸۳ قابلِ دید ہے۔ تحریر فرمایا ہے: "وَلِلاَرضِ مِنْ کَأسِ الْکِرَامِ نَصِیبٌ: پیر الضاری قدس سرہٗ می فرمودند کہ من مرید خرقانی ام

لیکن اگر خرقانی درین وقت می بود باوجود پیریش مریدی من می کرد۔" جامع رقعات شریفہ نے اس مکتوب شریف کے بعد لکھا ہے۔ "آخر نفس حضرت ارشاد پناہی خود را مبتدی می دیدند و نظر در حاصل خود نمی انداختند۔" حضرت میر محمد نعمان قدس سرہٗ کو یہ فرما کر آپ کی خدمت بابرکت میں ارسال کیا۔ "میاں شیخ احمد آفتابے اند کہ مثل ما ہزاراں ستارہ در ضمن ایشان گم اند۔ زبدہ قلمی ص ۲۳۹۔ یہ ہے خدا کی دین جس کو چاہے عطا کرے۔

قیومیت ولایت کا ایک بلند مرتبہ ہے۔ قیوم کے سمجھنے کے لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے ولی کو پہچانا جائے۔ اور اس کے مرتبے کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اس سلسلہ میں ایک صحیح حدیث شریف ہے جس کو امام بخاری اور دیگر ائمۂ حدیث نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث شریف از احادیث قدسیہ ہے۔ الفاظ مبارکہ یہ ہیں:۔ "قالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وَسلّم۔ اِنَّ اللّٰہَ تبارک وتعالیٰ قال مَن عَادَلِی وَلِیًّا فَقَدْ اٰذنتہٗ بِالحَرب وَما تقرّب الیّ عبدی بشئ احبّ اِلیّ مِمّا افترضتُ علیہِ وَمَا یزال عبدی یتقرّبُ الیّ بِالنّوافِل حتّیٰ احبّہٗ فاذا احببتُہٗ کنتُ سمعہ الّذی یسمع بہٖ وَبصرہ الّذی یبصر بہ وَیدہٗ الّتی یبطش بِہا وَرجلہٗ الّتی یمشی بہا وَاِن سَأَلَنی اعطیتہٗ ولأَن استعاذَنی لأُعِیذَنَّہٗ۔" جائے فکر اور محل خیال ہے کہ جو شخص اللہ کے کسی ولی سے عداوت کرتا ہے وہ فی الحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ سے العیاذ باللہ لڑائی مول لے رہا ہے۔ جب ولی مدارج عالیہ طے کرتا ہے تو وہ ایسے مقام پر فائز ہو جاتا ہے کہ اس کے افعال اللہ سے منسوب ہو جاتے ہیں۔ نہ اس کی اپنی سماعت

رہتی ہے نہ دید اور نہ اس کی اپنی گرفت رہتی ہے اور نہ حرکت۔ اس وقت "وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى" اور "إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ" کے اسرار واضح ہوتے ہیں، جن کو پروردگار اعلیٰ درجاتِ ولایت پر پہنچا کر خلعتِ قیومیت سے سرفراز کرتا ہے، ان کی وہ شان ہوتی ہے جو حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ نے بیان کی ہے اور صاحب زبدہ نے اس کو نقل کیا ہے۔

قیومیت کے لیے وہ مبارک ذات صلاحیت رکھتی ہے جو مظاہر عبدیت اور مراتبِ خشیت میں بدرجہ اتم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلے۔ سردارِ دوجہاں آقائے کل کائنات بِأَنْفُسِنَا هُوَ وَبِآبَائِنَا وَاُمَّهَاتِنَا وَاَوْلَادِنَا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پروردگار سے یہ مژدۂ عالی مل چکا ہے:۔ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔ لیکن آپ پروردگار جل شانہٗ کی اتنی عبادت کرتے تھے کہ آپ کے پائے نازنین پر ورم آجاتا تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ علیک صلوٰۃ اللہ آپ اتنی محنت کیوں فرماتے ہیں؟ آپ سے تو کسی بات کی پوچھ نہ ہوگی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا۔ مراتبِ کمال اسی کو ملتے ہیں جو مظاہر عبدیت بہ درجہ اتم ظاہر کرتا ہو۔ جس کے تن کا رُواں رُواں بزبانِ حال کہتا ہو۔ ؎

بے تو جاناں قرار نہ توانم کرد — احسان ترا شمار نہ توانم کرد
گر برتنِ من زبان شود ہر موئے — یک شکرِ تو از ہزار نہ توانم کرد

جو ہر وقت اور ہر حال میں متوجہ الی اللہ رہے۔ جس کی بیداری مشاہدہ ہو اور خواب بیداری۔ جس پر تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ کی کیفیت بہ طفیل سرورِ عالم صلی اللہ

علیہ وسلّم طاری ہو۔

عام طور پر کرامات اور خوارقِ عادات کو سراہا جاتا ہے اور اس کو ولایت کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ ہدایت الطالبین میں قیوم وقت حضرت شاہ ابو سعید قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔" جذب و حضور و جمعیت و واردات و کشف کونی و کشف ارواح و کشفِ عالمِ مثال و سیرِ عالمِ ملک کہ عبارت از تحتِ افلاک ہست و ملکوت کہ عبارت از ملائکہ و ارواح و بہشت ہست و آنچہ ما فوقِ آسمانہا ہست ہمہ داخل دائرۂ امکان ہست بلکہ در نصف سافل آن دائرہ این چنین شعبدہ ہا بنظر در می آید الخ ص ۳۸ قلمی "۔ حضرات عالی قدر کے نزدیک یہ بمنزلۂ شعبدہ اور طفل تسلی کے ہے۔ حضرت خواجۂ خواجگان سرکردۂ طائفۂ نقشبندیان حضرت موید الملۃ والدین الرضی ابو الوقت محمد الباقی المعروف بہ خواجۂ بیرنگ باقی باللہ قدسنا اللہ باسرارہٖ اپنے رقعۂ شریفہ ۵۳ کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں۔" خواجۂ ما در فقراتِ قدسی آیاتِ خود می فرمایند کہ بریدہ شدن و تہی گشتن دل از ماسوی حق سبحانہٗ دلیل ہست بر مظہریت مر تجلی حق سبحانہ را بنعتِ احدیت کہ نیلِ معارف بحقائقِ اسماء و صفات بے این معنی متعذر ہست۔ واضح باشد کہ گرفتارِ مشاہدہ نیز گرفتارِ غیر ہست الیشان در عینِ مراد از مراد نامرادانند"۔ حضرت شاہ نقشبند قدس اللہ سرہ السامی نے بالفاظ مختصرہ حقیقت بیان کر دی ہے ؎

اوّلِ ما آخرِ ہر منتہی   آخرِ ما جیبِ تمنّا تہی

ولایت کے لیے خشیت اور تقویٰ کی ضرورت ہے۔ نہ کشف و کرامت کی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنْ اَوْلِیَآءُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔ حضرت امامِ ربانی قدس اللہ سرہ السامی کے صرف ایک دو واقعات نقل کیے جاتے ہیں۔ تاکہ آپ کے

مظاہر عبدیت اور کمالِ خشیت کا کچھ اندازہ ہو سکے :۔

"بر زبان مبارک راندند کہ یک روز بسہو در درآمدن بخلا اول پاے راست نہادم۔ آن روز چندین احوال بر من بستہ شد۔ راقم گوید روزے در خدمت آنحضرت نشستہ بودم وایشان در تحریرِ معارف بودند ناگاہ از غلبۂ تقاضاے بول بہ سرعت متوجہ متوضا شدند۔ ہمچناں کہ بہ سرعت بمتوضا رفتہ بودند بہ سرعت ہرچہ تمام تر بر آمدند۔ بندہ را حیرت روے داد کہ بہ این سرعت درآمدن و بہ این تعجیل برآمدن چہ بود۔ بمجرد برآمدن از خلا ابریق آب طلبیدہ ناخنِ ابہامِ یسارہ را شستہ باز بہ خلا درآمدند۔ چون بعد از ساعتے بیرون شدند فرمودند کہ تقاضاے بول استیلا نمود۔ بہ سرعت بمتوضا در آمدم و نشستہ بودم کہ نظرم بر پشتِ ناخن افتاد کہ نقطۂ سیاہی بر و بود کہ براے امتحانِ قلم نہادہ بودم با آن نقطۂ سیاہی کہ از اسبابِ کتابتِ حروفِ قرآنی است آنجا نشستن را لائق و بہ رعایتِ ادب مطابق ندیدم باوجود کہ از غلبۂ آن محنت داشتم لیکن آن محنت پیشِ این محنتِ ترکِ ادب بس حقیر نمود۔ بیرون آمدہ آن نقطۂ سیاہی را شستم و باز در آمدم۔ وقتِ دیگر کہ این بندہ در خدمت حاضر بود مولانا صالح ختلانی را امر نمودند کہ چند قرنفل از خریطہ برآوردہ حاضر کن۔ وے شش قرنفل حاضر ساخت۔ در عتاب رفتہ فرمودند "اینک صوفی ما آن قدر نہ شنیدہ کہ اَللّٰہُ وِترٌ وَّ یُحِبُّ الْوِتْرَ۔ رعایتِ وتر از مستحبات است۔ مستحب را مردم چہ دانستہ اند۔ مستحب دوست داشتۂ اوست سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اگر دنیا و آخرت را بہ یک عملے کہ دوست داشتۂ حق عزوجل باشد بدہند ہیچ ندادہ باشند الخ۔"

صفحہ ۳۰۴ و ۳۰۵۔ زبدہ قلمی۔

کتاب حضرات القدس کے حضرت سادسہ مرکاشفہ ۱۳۱ کو قلمی نسخہ محررہ سنہ ۱۰۹۹ھ سے نقل کیا جاتا ہے۔ لکھا جاتا ہے۔ "روزے حضرت الیشان قدس سرہٗ بہ جہت قضائے حاجت بمستراح درآمدند دیدند کہ آن جا کاسۂ ناتمام از سفالین بہت گنّاس بہ آن نجاسات بر می داشت واسم اَللّٰہ بر آن نقش کردہ اند وملوث بہ قاذورات شدہ۔ آن حضرت کاسہ را بدستِ خود گرفتہ از انجا برآمدند وخادم را فرمودند کہ آفتابہ باآب بیارد۔ آورد۔ آن کاسہ را بدست خود از قاذورات پاک ساختند۔ ہر چند خدّام التماس نمودند کہ ما آن را پاک کنیم قبول نہ فرمودند۔ بعد از پاک کردن آن را بر طاقِ بلند بجامۂ سفید پیچیدہ بتعظیم تمام نگاہ داشتند۔ وہر گاہ می خواستند کہ آب بیاشامند درہمان کاسہ می آشامیدند۔ درین اثناء از درگاہِ ربّ الارباب خطابِ مستطاب بہ آن حضرت دررسید کہ چنانچہ تو نامِ مرا بزرگ داشتی، ما نامِ ترا در دنیا وآخرت بزرگ گردانیم۔ وی می فرمودند کہ اگر صد سال ریاضت ومجاہدہ می کشیدم فیوض وبرکات کہ ازین عمل یافتم از ان مجاہدات سنین بہ حصول نہ می پیوست۔ الخ"

ان واقعات کو خوب دقیق نظر سے مطالعہ کیا جائے۔ سیاہی کے نقطہ کی وجہ سے باوجود بول کی تکلیف کے آپ فوراً تشریف لے آئے۔ آپ نے یہ تکلیف صرف اس وجہ سے برداشت کی کہ سیاہی سے کلامِ پاکِ الٰہی لکھا جاتا ہے۔ کیا ایسے تقویٰ اور ادب کی مثال مل سکتی ہے؟ مولانا صالح پچھی ڈالنے کالی مرچ کے لے آئے۔ ان سے ایک امرِ مستحب رہ گیا۔ آپ کو رنج ہوا۔ اور ارشاد فرمایا، لوگوں نے مستحب کو کیا سمجھ رکھا ہے۔ مستحب وہ امر ہے جو پروردگار جل شانہٗ کو پسند ہے۔ اگر دنیا

دآنحضرت کو ایک ایسے امر کے لیے دیدیا جائے جو پروردگار کو پسند ہو تو کچھ بھی نہیں دیا گیا ہے۔ اتباعِ سنّت اور عمل برعزمیت کی ایسی مثال کوئی پیش کرسکتا ہے۔ آپ نے اُس مٹی کے پیالے کو جو کہ ناتمام تھا اور مہتر اُس سے نجاست اُٹھاتا تھا اپنے دستِ مبارک سے پاک کیا اور پھر بہ ادب اُس کو سفید کپڑے میں لپیٹ کر اوپر طاق میں رکھا۔ اور جب آپ پانی نوش فرماتے اُس مٹی کے ناتمام پیالے میں نوش فرماتے۔ یہ صرف اس لیے کہ اس پر رب العزۃ کا مبارک نام کندہ تھا۔ پروردگار جل شانہٗ کے اسمِ مبارک کی ایسی تعظیم وہی کرسکتا ہے جس پر پروردگار کا خاص کرم ہو۔ یہ احوالِ مبارکہ وقتی نہیں تھے۔ بلکہ آپ کی سرشت میں بس گئے تھے۔ اور بمنزلہٗ جبلّی عادات کے ہو گئے تھے۔ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ۔ حضراتِ کرام نے فرمایا ہے۔ اَلْاِستقامَۃُ فَوْقَ الکرامَۃ۔ ایسی مبارک اور برگزیدہ ہستیاں بارِ خلافت ونیابت وقیومیت اُٹھاتی ہیں۔ ع

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتاب روضۂ قیومیہ کا ذکر کر دیا جائے۔ کیونکہ قیومیت کے سلسلہ میں بعض افراد اس کتاب کی عبارت سے متحیر رہ گئے ہیں۔ اور اُن کا متحیر ہونا اپنی جگہ صحیح ہے۔ یہ کتاب جناب محمد احسان مجدّدی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ یہ حضرت خواجہ محمد زبیر کے خلیفہ تھے۔ اور وہ اپنے دادا حضرت خواجہ محمد نقشبند حجۃ اللہ کے اور وہ اپنے پدرِ بزرگوار حضرت خواجہ محمد معصوم کے قدس اللہ اسرارہم۔ ان کو اپنے پیر و مرشد سے کامل عقیدت تھی۔ دقائقِ علمیہ سے پوری طرح باخبر نہ تھے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں قدس اللہ سرہٗ

ان کو ایک خط لکھا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:- "آنچہ از احوالِ شہود نوشتہ اند کہ
ہر ذرہ ظہورِ ذات تعالیٰ و تقدس معلوم می شود۔ و این را توحید متعارف دانستہ اند
غلط است "۔ روضۃ قیومیہ میں بھی ان سے لغزشیں ہوئی ہیں۔ بعض واقعات
بھی صرف از وجہ سماع قلمبند کر دیے ہیں، حالانکہ وہ صحیح نہیں ہیں۔ بنا بریں
حضرات عالی قدر نے اس کتاب کو قابلِ اعتنا نہیں سمجھا ہے۔ قیومیت کے
سلسلے میں ان کا مسلک جادۂ صواب سے ہٹا ہوا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے
"قیوم اس شخص کو کہتے ہیں جس کے ماتحت تمام اسماء و صفات، شیونات، اعتبارات،
اور اُصول ہوں۔ اور تمام گزشتہ اور آیندہ مخلوقات کے۔ عالم موجودات۔
انسان، وحوش، پرند، نباتات، ہر ذی روح، پتھر، درخت، بر و بحر کی ہر شے
عرش، کرسی، لوح، قلم، ستارہ، ثوابت، سورج، چاند، آسمان، بروج سب
اُس کے سایہ میں ہوں۔ الخ" قبل اس کے کہ اس عبارت پر نظر ڈالی جائے مناسب
ہے کہ اسماء و صفات و ظلال و اصول افراد انسان کے متعلق حضرات کرام کی
تحقیق بیان کر دی جائے۔

فرماتے ہیں کہ تمام عالم کا ظہور پروردگار جل شانہٗ و عز برہانہٗ کے اسماء حسنیٰ
اور صفاتِ علیا کی تجلیات سے ہوا ہے۔ پروردگار کی ہر صفت بمنزلہ ایک
کلّی کے ہے۔ ہر صفت کی بے شمار تجلیات ہیں اور ہر تجلی کے بے اندازہ ظلال
اور ہر ظل کے بے حساب نقاط۔ حضراتِ انبیاء اور ملائکہ کا تعلق اور ارتباط
تجلیات صفات سے ہے۔ ان کی تربیت کلیات سے ہوئی ہے۔ مثلاً حضرت
آدم علیہ السلام کا تعلق صفتِ تکوین سے ہے۔ اور یہی صفت ان کی مُربّی ہے

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعلق صفتِ علم سے ہے۔ اور یہی صفت ان کی مربّی ہے۔ اسی طرح تمام انبیا و اور ملائکہ کا تعلق کسی ایک صفت سے ہے اور وہی صفت اُن کی مربّی ہے۔ ان حضرات کا مبداءِ تعیّن صفاتِ باری جل شانہٗ ہیں، اور باقی تمام کائنات کا تعلق صفات کے ظلال سے ہے۔ تمام کائنات میں صدیقین شُہدار، قیّوم، قطب، غوث، فرد، ابدال، اوتاد، صالحین اور سب شامل ہیں۔ ان سب کا مبداءِ تعین دائرہٗ ظلال ہے۔ اللہ کا کوئی بھی نیک بندہ جب مدارج قرب طے کرتا ہے پہلے اس نقطہ تک پہنچتا ہے جو دائرہٗ ظلال میں ہے۔ اور پھر اگر پروردگار کا فضل وکرم شامل حال ہوتا ہے تو دائرہ تجلیاتِ صفات میں قدم رکھتا ہے۔ یعنی ظل سے اصل میں اور پھر اگر توفیقِ الٰہی مدد فرماتی ہے تو اصل سے اُس کی اصل کی طرف وَھٰکَذا مِن اصلِ اِلیٰ اصلِ الْاَصلِ اِلیٰ اَنْ یَّبلُغُ الْکِتَابَ اَجَلَہ۔

محمد احسان صاحب بموجب اس اُردو ترجمہ کے جو پیشِ نظر ہے۔ نہ حضرات عالی قدر کے کلام کو سمجھے ہیں اور نہ قیوم کے مرتبہ کو۔ انھوں نے اسماء، صفات، شیونات، اصول اور تمام گزشتہ اور آئندہ مخلوقات کے متعلق لکھ دیا کہ سب اُس کے سایہ میں ہوں۔ العیاذ باللہ من ھٰذا القولُ الفاسد۔ بھلا اسمار باری تعالیٰ اور اُس کی صفات وشیونات کس کے سایہ میں آسکتے ہیں۔ اصل کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ انبیاء اور ملائکہ کے لیے تجلی صفات اصل ہے۔ باقی افرادِ کونی کے لیے تجلی صفات کا ظل اصل ہے۔ بھلا تجلیاتِ صفات سے یا ظلالِ تجلیاتِ صفات پر کون حاوی ہو سکتا ہے۔ استغفراللہ۔ اور لکھا ہے

تمام گزشتہ اور آیندہ مخلوقات الخ۔ یہ اللہ کے بندے اتنا نہ سمجھے کہ تمام گزشتہ مخلوقات میں صحابۂ کرام، انبیاء عظام، ملائکہ عالی مقام، اور سرِ فرایدِ جہاں محبوبِ کبریا جناب محمد مصطفٰے احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ جمیع انبیاء والملائکہ وجمیع عباد اللہ الصّالحین وبارک وسلّم۔ بھی شامل ہیں۔ حالانکہ بڑے سے بڑا ولی ادنیٰ صحابی رضوان اللہ علیہم کے خاکِ پا کی برابری نہیں کرسکتا، چہ جائے کہ انبیاء علیہم السلام۔ محمد احسان صاحب نے حضرت امام ربانی سے شروع کرکے اپنے پیر ومرشد حضرت خواجہ محمد زبیرؒ تک قیومیت کا سلسلہ قائم رکھا ہے۔ یہ چار حضرات ہیں۔ قدس اللہ اسرارھم۔ اور اپنے پیر ومرشد کو قیومِ رابع اور ختم القیومیہ قرار دیا ہے۔ ان کو یہ نہیں معلوم کہ بجز نبوت کے اور کسی مرتبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ مثل امتی مثل المطر لا یدری اولہٗ خیرٌ أم اٰخرہٗ۔ ارشاد نبوی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضراتِ عالی قدر یعنی فرزندان حضرت خواجہ محمد معصوم اور ان کے بعد کے دوسرے حضرات میں سے یہ بات کسی نے نہیں کہی ہے۔ بلکہ ان میں سے بعض حضرات کو پروردگار جل شانہٗ وعم احسانہٗ نے اپنے فضل وکرم سے یہ مقامِ عالی دیا ہے۔ اور انھوں نے اظہار بھی فرمایا ہے۔ حضرت سیدی الوالد قدس سرہٗ جو اپنے وقت کے قیوم تھے فرماتے ہیں ؎

حضرت خواجہ محمد معصوم ان کی اولادِ مبارک قیوّم

حضرت شاہ ابو سعید قدس سرہٗ رسالۂ ہدایت الطالبین میں تحریر فرماتے ہیں "بہ این منصبِ عظیم الشان درین امّت مرحومہ اللہ تعالیٰ حضرت مجدد الف

ثانی را حضرت ایشان و بعضے فرزندان و خلفائے ایشان رضی اللہ عنہم سرفراز فرمودہ۔ چنانچہ درین وقت حضرت پیرِ دستگیر قیومِ زمان و قطبِ دوران ہستند"۔ و حضرتِ ایشان سے مراد حضرت خواجہ محمد معصوم ہیں۔ اور پیرِ دستگیر سے مراد حضرت شاہ غلام علی قدس سرہما ہیں۔ پروردگار جلَّ شانہٗ نے اسی منصبِ ممتاز پر حضرت شاہ ابوسعید قدس سرہٗ کو بھی سرفراز کیا تھا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

پروردگار جلَّ شانہٗ نے اس مقامِ عالی کو حضرت امامِ ربانی مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ پر ظاہر فرمایا اور آپ کو عنایت کیا۔ آپ قیومِ اول بلامنازع ہیں۔ اور سنۃ اللہ یہ ہے کہ جب وہ نعمت دیتا ہے تو اس کا دروازہ بند نہیں کرتا ہے۔ بندے اگر خود اپنی بدبختی سے کفرانِ نعمت کر کے راہ مسدود کر دیں تو یہ اور بات ہے۔ جیسا کہ آیتِ شریفہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ اس پر دال ہے۔ حضرت کے بعد چندین حضرات کو یہ رُتبہ ملا ہے۔ اور اِن شاء اللہ آخر زمانہ تک برگزیدگاں کو ملتا رہے گا۔ حضرت کے بعد جو بھی اس مقام پر فائز ہوا ہے یا ہوگا اُس کے پیش رو اور سردار آپ ہی ہیں۔ اور از روئے حدیث صحیح مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهٗ كُتِبَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلَا يَنْقُصُ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ۔ ہر قیوم کے ظاہر ہونے پر آپ کے مدارج علیا میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ کتاب حضرات القدس دفتر دوم کے حضرت سادسہ میں مکاشفہ ۲۸ اِن الفاظ سے ہے۔ "می فرمودند کہ بر ما مکشوف شدہ کہ حضرت

مہدی موعود رضی اللہ عنہ برین نسبتِ عُلیہ مخلوق خواہد بود۔ اشارت بہ نسبتِ خاصہ خویش می نمودند۔ چنانچہ در بعضے رسائل ومکاتیبِ خود بہ آن تصریح نمودہ اند۔ انتہیٰ۔ انشاءاللہ تعالیٰ حضرت مہدی بھی اسی نسبتِ عالیہ اور درجۂ کاملہ سے پوری طرح متجلی ہوں گے۔

آپ نے سنّتِ نبویہ علیٰ صاحبہا اَلفُ اَلفِ صلاۃٍ وتحیۃٍ کو فروغ دیا۔ بدعات کو مٹایا۔ ہزارہا مردہ دلان کو نورِ ایمان سے زندۂ جاوید کیا۔ اللہ کی اور اللہ کے رسول کی محبت اور عظمت کو اعماقِ نفوس میں بٹھایا۔ علماء سوء کی خبر لی۔ جاہل صوفیہ سے اللہ کے بندوں کو بچایا۔ اولیاء اللہ کی تعظیم سکھائی۔ دینِ متین کو جاہل سلاطین کے دستِ عدوان سے محفوظ کیا۔ جو وظائف خلیفہ کے ہونے چاہئیں وہ آپ میں تھے۔ آپ خلیفۃ اللہ فی العالم ونائبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقطبِ جہان وقیومِ زمان تھے۔ آپ کے پیر ومرشد قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں۔ "روزے فرمودہ اند کہ ایشان از کُمّل مردان و محبوبان اند۔ وقتے دیگر فرمودہ اند کہ امروز در زیرِ فلک ازین طائفۂ علیہ چون ایشان نیست۔ وقتے دیگر بر زبانِ مبارک راندہ اند بعد از صحابہ و کمّل تابعین ومجتہدین چون ایشان معدودے چند از اخص الخواص بنظر می در آیند الخ" صد ۲۴۲ زبدہ قلمی۔ پروردگار آپ کے درجات کو عالی سے اعلیٰ اور اعلیٰ سے اعلیٰ تر فرمائے۔ آپ کے نفحاتِ السنیہ ونسماتِ قدسیہ کی برکت بفضل اللہ وکرمہ واحسانہ اب تک بہ صورتے دلونے وکیفیتے پائی جاتی ہے۔ اور انشاءاللہ یہ فیض باطنی آخر زمانہ تک جاری رہے گا۔ اور

قیوم ہا کا ظہور ہوتا رہے گا۔ اور یہ عہدہ نیک بندوں کو ملتا رہے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ مراتب میں کمی و بیشی ہو۔ دیکھو حضرات انبیاء علیہم السلام نبوت کے اعتبار سے ایک زمرہ میں ہیں، لیکن مراتب اور فضیلت کے اعتبار سے فرق موجود ہے۔ تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔ سے حقیقت واضح ہو رہی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ سیدنا محمدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ۔

ابو الحسن زید فاروقی
خانقاہ حضرت شاہ ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ
چتلی قبر۔ دہلی۔

جمعہ ۱۳ ر شعبان ۱۳۸۴ھ
۱۸ ر دسمبر ۱۹۶۴ء

حواشی و تعلیقات

(۱) وحدت الوجود اور وحدت الشہود سے متعلق قرآن و سنت سے قریب تر تعبیروں کی وجہ سے ملّا عبدالحکیم سیالکوٹی علیہ الرحمہ نے "مجدّد الف ثانی" کے خطاب سے حضرت قدس سرہٗ کو مخاطب کیا۔ اصل واقعہ یہ تھا کہ بعض متقدمین اکابرِ طریق سے غلبۂ حال اور سُکر کی حالت میں کچھ ایسے کلمات سرزد ہوئے تھے جن میں "وحدت" کی جھلک پائی جاتی ہے۔ پھر بعض حضرات (ابنِ عربیؒ وغیرہ) نے اس نظریۂ "ہمہ اوست" کو علمی رنگ دیا۔ لیکن ان کا مقصد سمجھے بغیر بعض لوگوں نے "حلول واتحاد" کا دعویٰ شروع کر دیا۔ پھر اس ایک اصل سے نہ معلوم گمراہیوں کی کتنی شاخیں نکلیں۔ اور یہاں تک کہا گیا کہ زمین، آسمان، شجر، حجر، عناصرِ بسیط اور اُن کے مرکبات سب خدا ہی ہیں۔ حالانکہ تمام انبیاء علیہم السلام یہی فرماتے تھے کہ اللہ غیر اللہ سے وراء الوراء اور وحدہٗ لاشریک ہے۔ حضرت مجدّد علیہ الرحمہ نے (دفتر دوم مکتوب اوّل) فرمایا:-

"ممکن کو عین واجب کہنا۔ اور اُس کے افعال و صفات کو بعینہٖ حق تعالےٰ کے افعال و صفات قرار دینا سخت بے ادبی، بلکہ اللہ عزوجل کے اسماء و صفات میں

الحاد ہے...... پس حق تعالےٰ کو اس دنیا سے کوئی مناسبت نہیں۔ (چہ جائیکہ اتحاد وعینیت) اللہ پاک تو تمام عالم سے بے نیاز اور ورا الورا ہے۔ اُس کو عالم کے عین اور متحد کہنا، بلکہ کوئی نسبت بھی اس فقیر پر سخت گراں ہے۔" لہ

(۲) خانِ جہاں کو بار بار لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ جہانگیر اُن کی بات بہت سنتا تھا۔ دفتر دوم کے ایک طویل مکتوب میں ہے:۔ "حق سبحانہٗ تعالےٰ نے آپ کو حسب دولتِ عظمیٰ سے ممتاز کر رکھا ہے کہ عام آدمی اس سے ناواقف ہیں، بلکہ بہت ممکن ہے کہ خود آپ کو بھی اس کا احساس نہ ہو یہ ہے کہ جب کہ بادشاہِ وقت آپ کی بات سنتا اور مانتا ہے تو کتنا اچھا موقع اور کیسی نعمت ہے کہ صراحتہً یا کنایتہً جب جیسا موقع مناسب سمجھا جائے کلمۂ حق یعنی حضراتِ اہلِ سنّت وجماعت کے معتقدات کے موافق اسلامی تعلیمات ان کے کان میں ڈالی جائے اور اہلِ حق کی باتیں وہاں تک پہنچائی جائیں بلکہ ہمہ وقت اس کے متلاشی اور منتظر رہیں کہ کوئی موقع مذہبی اور دینی گفتگو کا آئے، تاکہ اسلام کی حقانیت اور کفر واہلِ کفر کی خرابیاں بیان کی جاسکیں۔" ٢ه

(۳) حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کے سلسلے کے ہیں ان کے ایک خلیفہ حضرت خالد کردی تھے، جن کے مناقب میں علامہ شامی نے جن کی شرح درمختار پر آج مفتیانِ مذہب حنفی کے فتاویٰ کی بنیاد ہے ایک مستقل رسالہ تالیف فرمایا جس کا نام "سل الحسام الھندی لنصرۃ مولٰنا خالد النقشبندی" ہے۔ یہ رسالہ مصر میں چھپ گیا ہے۔ خالدیہ شاخ عراق وشام

لہ۔ الفرقان۔ دوسرا ایڈیشن۔ ۱۳۶۹ھ۔ صفحہ ۱۱۷-۱۱۸

٢ه۔ ایضاً صفحہ ۱۰۴۔

اور خصوصاً ترک ممالک میں اب بھی مقبول ہے۔ حضرت مجدّد قدس سرہٗ کے مکتوبات شریف ان ممالک میں بھی پڑھے جاتے ہیں۔ ملّا مراد جو روس کے رہنے والے تھے اُنھوں نے مکہ معظمہ میں ان مکتوبات کا عربی ترجمہ کیا جو مصری ٹائپ میں چھپ کر بلادِ اسلامیہ میں پھیل گیا۔ اس کے بعد حدیث و تفسیر میں جتنی اچھی کتابیں لکھی گئیں ان میں معتد بہ ایسی ہیں جن میں مکتوبات کے مضامین نقل کیے گئے ہیں۔ خصوصاً عصر جدید کی مشہور تفسیر روح المعانی جو سلطان عبدالحمید خاں مرحوم (خلیفۂ ترکیہ) کے عہد میں لکھی گئی۔ اس میں علّامہ شہاب محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے گویا اس کا التزام کر رکھا ہے کہ جہاں بھی ذکر کا موقع میسر آجائے وہاں "قال المجدّد الفاروقی" کے نام سے وہ آپ کے خاص خاص نظریات بڑے افتخار کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ [۱]

(۴) حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوب ۸۸ (مطبوعہ لاہور ۱۳۰۱ھ) میں لکھا ہے:۔

بدانکہ حضرت مجدّد رضی اللہ عنہ جواب اعتراضات کہ نافہمان بر کلام ایشاں می نمایند در مکتوباتِ خود تحریر کردہ اند حاجتے نہ دارد کہ دیگرے جواب آں بنویسد و ہمہ مخلصان و فرزندانِ ایشان نیز متصدی دفع آں شدہ اند۔ حضرت شاہ یحیی پسر ایشان و حضرت محمد فرخ و حضرت عبدالاحد نبیرہ ہائے ایشان و مرزا محمد بیگ بدخشی در مکہ شریف و حضرت شاہ ولی اللہ محدث و قاضی ثناء اللہ و دیگر عزیزان از مخلصانِ ایشان بہ ردِّ آں پرداختہ اند۔ کسے کہ تاویلِ عبارت بطور صوفیۂ عالیہ می داند نزدِ او ہیچ اعتراضے نیست و حضرت شیخ عبدالحق ...... در رسالہ

---

[۱] الفرقان۔ دوسرا ایڈیشن ۱۳۶۸ھ صفحہ ۲۴

انکارِ حضرت مجددؒ نوشتہ اند۔ مجتبے کہ مرا با شما ہست کسے را با شما نخواہد بود۔ شما عزیز یدو طریقۂ شما عزیز حضرت خواجہؒ کہ اثباتِ شمال بسیار می کردند و نیز نوشتہ اند کہ یک بار دربارۂ شما بجناب الٰہی سبحانہٗ متوجہ بودم کہ این مقامات کہ ایشان می گویند حق ہست یا اصلے نہ دارد آیۂ شریفہ کہ در رفعِ اشتباہِ حقیقتِ موسیٰ علیہ السلام نازل شدہ درحق حضرت مجددؒ بر دلِ حضرت عبدالحقؒ نازل شد، پس تامل ضرور ہست۔ آیۂ شریفہ این ہست۔ اِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ الخ ......

(یہ مکتوب مکمل قابلِ مطالعہ ہے)۔

ملنے کا پتہ

ادارۂ مجددیہ

5/2.H 111 ناظم آباد۔ کراچی نمبر ۱۸

ہماری مطبوعات

حضرت مجدد الف ثانیؒ — ایک تحقیقی جائزہ: موجودہ دور میں دین اور اہل دین کے خلاف کچھ کہنا ایک فیشن ہو گیا ہے۔ ایک صاحب نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی شان میں کچھ گستاخیاں کی تھیں ان کی خدمت میں یہ کتاب بطور معروضات پیش کی گئی ہے اور ان کے اعتراضات کو تحقیق و تاریخ کی روشنی میں دیکھا اور پرکھا گیا ہے۔ ۱/-

عمدۃ السلوک حصہ اول: مبتدیوں کیلئے سلوک کی بہترین کتاب۔ ۲/-

عمدۃ السلوک حصہ دوم: منتہیوں کے لئے تصوف پر بہترین کتاب ۲/۵۰

حیاتِ سعیدیہ: حضرت خواجہ محمد سعیدؒ قریشی احمد پوری کی سوانح ۱/۵۰

گلدستۂ مناجات: عربی، فارسی اور اردو مناجاتوں کا بہترین انتخاب -/۲۵

ضیاء القرارت: تجوید و قرارت پر جامع رسالہ -/۵۰

آگاہی سید امیر کلالؒ: (فارسی) حضرت امیر کلالؒ کی سوانح ۱/۲۵

تحفہ زواریہ: (فارسی) حضرت شاہ احمد سعید دہلویؒ کے مکتوبات ۱/۵۰

ملفوظات: (فارسی) چند نقشبندیہ اکابرینؒ کے ملفوظات ۱/-

وسیلۃ القبول حصہ اول: (فارسی) حضرت خواجہ محمد نقشبند ثانیؒ کے مکتوبات ۱/-

〃 〃 حصہ دوم 〃 〃 〃 〃 ۱/-

رسائل مشاہیرِ نقشبندیہ: (فارسی) ۱/۵۰

تحریر و تقریر: پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب مدظلہ کے مضامین کا مجموعہ ۲/-

فارسی پر اردو کا اثر: از 〃 〃 ۱/۵۰

انتخاب مکتوبات: • عمدۃ الفقہ حصہ اول ۴/- • ہدایت الطالبین ۱/۵۰

حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہ کی تصانیف عالیہ

(۱) اثبات النبوۃ: بحمد اللہ یہ عربی رسالہ مع اردو ترجمہ پہلی بار شائع کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ در اص
منکرِ نبوت ابوالفضل (وزیرِ بادشاہ اکبر) کے رد میں لکھا گیا تھا۔ یہ ابوالفضل حضرت امام غ
جیسے بکثرت اکابر کے خلاف بھی دریدہ دہنی کرتا تھا اور کافرانہ طریقوں کی حمایت کیا کرتا تھا۔ ۵۰/

(۲) رسالہ تہلیلیہ: یہ حضرت قدس سرہٗ کا دوسرا عربی رسالہ ہے جو پہلی بار مع اردو ترجمہ شائع کیا جا
یہ رسالہ کلمہ طیبہ کے معارف سے متعلق ہے اور ایسے زمانے میں لکھا گیا جب کہ اکبری عہد می
کلمۂ طیبہ کا غلط استعمال کیا جانے لگا تھا۔
۷۵/

(۳) مکاشفاتِ عینیہ: یہ فارسی رسالہ بھی مع اردو ترجمہ پہلی بار شائع کیا جا رہا ہے جو مکاش
کی حقیقت اور اس کے مختلف معاملات سے متعلق ہے۔
۲/-

(۴) شرح رباعیات: مع اردو ترجمہ۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی رباعیات
کی شرح حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فارسی میں فرمائی تھی اور ایسے اسرار و رموز
بیان فرمائے ہیں کہ دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی کے ساتھ اِن رباعیات کی وہ شرح بھی ہ
جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فرمائی تھی اس کا اردو ترجمہ بھی شامل ہو رہا ہے
اس اہتمام سے یہ مجموعہ زیادہ مفید بن گیا ہے۔

(۵) رسالہ در فضائل صحابہؓ (در کوائف شیعہ) حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس رسالے میں
اپنے زمانے کے ایک بہت بڑے فتنے کا سدباب فرمایا ہے آپ کے علم کلام کے سمجھنے میں بھی
اس رسالے سے بڑی مدد ملتی ہے حالانکہ یہ رسالہ نوجوانی کے زمانے کا تحریر کردہ ہے۔
مبدأ و معاد اور معارف لدنیہ بھی مع اردو ترجمے کے شائع کئے جا رہے ہیں۔

ادارہ مجدّدیہ، ۲/۵، ایچ، ناظم آباد نمبر ۳ کراچی نمبر ۱۸